لئے انھوں نے محاذِ جنگ پر اپنے رضاکار بھیجدئے۔

اسی دوران احمدیہ فرقہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ساتھ شیخ عبداللہ کا ایک خفیہ معاہدہ ہوا۔ ڈوگرہ فوج کی طرف سے قید و بند، مار پیٹ اور بیدزنی کے باوجود جب شورش دب نہ سکی۔ تو وزیر اعظم کی طرف سے مسلم رہنماؤں کو دھمکیوں سے مرعوب کرنا شروع کیا گیا۔ اس کے لئے حکومت کے حامی اسد اللہ وکیل، سلام شاہ اور آغا حسین جیسے افراد کی خدمات حاصل کر کے انھیں مسلم اتحاد میں رخنہ ڈالنے پر معمور کیا گیا۔

جولائی ۱۹۳۱ء کے خونی واقعات کے ساتھ ہی ریاست میں جو فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوئے تھے اور جن فسادات میں زینہ کدل، مہاراج گنج اور بہوری کدل میں کئی غیر مسلموں پر حملے کر کے یہاں کے دُکانداروں کا مال لوٹا گیا تھا۔ کشمیری پنڈتوں نے اس کی ذمہ داری وزیر اعظم ویکفیلڈ پر ڈالدی چنانچہ پنڈتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ویکفیلڈ سے استعفیٰ طلب کیا گیا اور ان کی جگہ راجہ ہری کرشن کول کو بحیثیت وزیر اعظم مقرر کیا گیا تھا۔ اس نئی تقرری سے مہاراجہ کا خیال تھا کہ شورش دب جائے گی لیکن شورش دبنے کے بجائے بڑھ گئی۔

راجہ ہری کرشن کول نے امن بحال کرنے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اُنھوں نے مُسلم نمائندوں سے امن بحال کرنے کے لئے صلح مشورہ کرنا شروع کیا۔ لیکن ان مسلم رہنماؤں نے دوٹوک جواب دیا کہ جب تک سیاسی قیدیوں کو رہا نہیں کیا جاتا تب تک امن بحال ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی، سیاسی قیدیوں کے ساتھ شہر سرینگر کے علاوہ قصبہ جات سے فوج واپس بلانے کی بھی تجویز رکھدی گئی۔ لیکن یہ پیش کش اس لئے نامنظور کی گئی تاکہ فوجوں کے بارکوں میں واپس جاتے ہی دنگا فساد بھڑک نہ اُٹھے۔

راجہ ہری کرشن کول نے مسلم رہنماؤں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لئے خواجہ نور شاہ نقشبندی، خواجہ غلام احمد عشائی، میرواعظ مولوی یوسف شاہ اور مولوی عبداللہ وکیل سے بذریعہ روگناتھ ٹھو تحصیلدار سرینگر سے رابطہ رکھوایا تاکہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کا تصفیہ ہو سکے۔ وزیر اعظم چاہتا تھا کہ سیاسی قیدی رہا ہونے کے بعد حکومت کے خلاف تقریریں نہ کرنے کی گارنٹی دیں۔ چنانچہ جب مسلم رہنماؤں کے سامنے یہ شرط رکھدی گئی تو انھوں نے یہ شرط ماننے سے انکار کیا اور اس بات کو واضح کیا کہ مسلمانوں سے انصاف کیا جائے اور بحیثیت شہری کے جو ان کے حقوق ہیں وہ بحال ہونے چاہئیں۔

چنانچہ اس طرح صلح صفائی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ البتہ بیرون ریاست سے ان قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی نے راجہ ہری کرشن کول کو خط لکھ کر سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ دہرایا۔ اس خط کا جواب وزیر اعظم نے خواجہ حسن نظامی کو لکھا۔ اس کی کاپی روگناتھ ٹھو کے ذریعے شیخ عبداللہ کو جیل میں پیش کی گئی۔ اس خط کی کاپی کو دیکھ کر شیخ صاحب حواس باختہ ہو گئے۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ حکومت کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لئے راضی ہو گئے۔

یکم اگست کو تجربہ کے طور پر سیاسی قیدیوں کو رہا کیا گیا۔ اسی دوران مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے وزیر اعظم نے ایک فرمان جاری کیا:

"چونکہ چند گمراہ ہوئے بد معاشوں نے لوٹ مار اور غارت گری و قتل کر کے سرینگر میں فسادات بپا کئے ہیں اور شہر کے امن کو درہم و برہم کر دیا۔ حتیٰ کہ فسادات کو روکنے کے لئے فوج کی امداد حاصل کرنا پڑی اور چونکہ دیہات میں بھی ایسے بد معاشوں کی حرکات کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ اس لئے مہاراجہ بہادر نے اعلان فرمایا کہ ان کی رعایا جو فطرت سے امن پسند ہے ان اثراتِ بد سے محفوظ رہے۔ گناہ کو ترک کر دے اور پُر امن شہریوں کی طرح رہے جس طرح وہ آج تک رہتے آئے ہیں۔ اُن کو تنبیہہ کی جاتی ہے کہ مہاراجہ بہادر کی حکومت ایسے ذرائع استعمال میں لا رہی ہے جس سے واقعات کا سدباب ہو سکے اور مستقبل میں بھی کوئی حادثہ پیش نہ آئے تمام قانون شکنی کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے گی۔"

اس دھمکی نے مسلم رہنماؤں کو کسی حد تک لرزہ براندام کیا۔ اسی دوران سر تیج بہادر سپرو دہلی سے ایک خاص مشن پر سرینگر آئے اور اُن کا قیام سرینگر میں منڈوز ہوٹل میں رہا۔ یہاں مسٹر سپرو کے ساتھ شیخ عبداللہ کی کئی ملاقاتیں ہوئیں اور ہر ملاقات کے بعد اُن کا وزیر اعظم کے ساتھ ایسا رابطہ رہا جس سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ اندر ہی اندر کوئی کچھڑی پک رہی ہے۔ اس کے بعد شیخ صاحب نے مسلم نمائندوں کی ایک میٹنگ طلب کی جس میں مہاراجہ بہادر کے ساتھ ایک صلح نامہ یا کشمیر ایکارڈ ترتیب دیا گیا۔

(۱) موجودہ ایجی ٹیشن بند کر دی جائے گی، مساجد یا دوسرے مذہبی مقامات میں ایسے پبلک جلسے منعقد نہ کئے جائیں گے جن سے حکومت کے خلاف یا فرقہ وارانہ منافرت پیدا ہوتی ہو۔

(۲) مساجد اور زیارت گاہوں میں عام اعلان کر دیا جائے گا کہ مسلمان بیرونی شورش سے متاثر نہ ہوں اور ہز ہائینس کے جن سے انھیں اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کی اُمید ہے۔ وفادار رہیں گے۔

(۳) بیرونی ہمدردوں سے درخواست کی جائے گی کہ مطالبات کے متعلق آخری تصفیہ تک کوئی ایسی کاروائی نہ کریں جس سے اس فضا میں جس کے مطالبات پر غور کرنے کے لئے ضرورت ہے کسی قسم کا تکدر پیدا ہو۔

(۴) اس سمجھوتہ سے رائج الوقت قوانین میں کوئی مداخلت نہ ہوگی۔

(۵) اس سمجھوتہ کے لئے راجہ ہری کرشن کول کے مشفقانہ اور ہمدردانہ امداد کے لئے ہم اُن کے ممنون ہیں۔

مطالبات کے متعلق اُن سے پوری توجہ کی اُمید رکھتے ہیں۔

نوٹ :۔ باوجود ہز ہائینس کی طرف سے ہماری اگست ۱۹۳۱ء کی عرضداشت کا جواب اطمینان بخش نہیں۔ ہم ان کا احترام کرتے ہیں اور ہز ہائینس سے وفاداری کی وجہ سے مشروط صلح کے لئے تیار ہیں۔

دستخط کنندگان :۔

مولوی محمد یوسف شاہ، سید حسین جلالی، ایس۔ ایم عبداللہ، غلام احمد عشائی، منشی شہاب الدین، مستری یعقوب علی، خواجہ غلام عباس خاں، سردار گوہر رحمان۔

اس وفا نامہ کے جواب میں حکومت نے ایک سرکلر جاری کیا جس کا متن یہ ہے :۔

(۱) قصبات اور دیہات میں مسلمان رہنماؤں کی طرف سے اس اعلان کے بعد کہ ایجی ٹیشن بند کر دی گئی ہے وہ تمام ذرائع ترک کر دے گی جو گذشتہ ڈیڑھ ماہ سے اس کی طرف سے اختیار کئے گئے ہیں۔

(۲) وہ ملزم جن کا فسادات کے الزام میں عدالت میں چالان کیا جا چکا ہے۔ ضمانت پر رہا کئے جائیں گے اور تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ شائع ہونے تک اُن کے مقدمات کی سماعت ملتوی رہے گی۔

(۳) ان سرکاری ملازمین کے متعلق جنھیں ایجی ٹیشن میں حصہ لینے کے الزامات میں معتوب یا معطل کر دیا گیا ہے۔ اس وعدہ پر کہ وہ آئندہ ایسی باتوں میں حصہ

نہیں لیں گے ان کے معاملہ میں دوبارہ غور کیا جائے گا اور انھیں پھر وہی حقوق دئے جائیں گے۔

اِس معاہدہ کا اعلان ۱۸ اگست ۱۹۳۱ء بروز جمعہ جامع مسجد سرینگر میں ہونا تھا کہ شیخ عبداللہ پر مہاراجہ ہری سنگھ کو معافی نامہ دینے کی پاداش میں حملہ کر دیا گیا۔ اِس حملہ میں وہ بال بال تو بچ گئے لیکن وزیر اعظم ہری کرشن کول کی خوشی کو اخباروں نے اُجاگر کیا۔ جو شروع ہی سے ان مسلمان جوانوں کو آوارہ مزاج کہہ کر پکارتے تھے۔

اِس صلح نامہ پر اگرچہ بعض دوسرے مسلم رہنماؤں نے بھی دستخط کئے تھے لیکن صرف شیخ عبداللہ پر اس کی پاداش میں حملہ کیا گیا۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سر تیج بہادر سپرو سے ملنے کے بعد اس صلح نامہ کی ترتیب میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ لیکن دوسرے لیڈر ہرگز بری الزمہ نہیں تھے۔

شیخ عبداللہ پر حملہ ایک حادثہ سے کم نہ تھا۔ چنانچہ اس کی تفصیلات جو چوہدری عصمت اللہ ایڈووکیٹ نے "کشمیر کمیٹی" کے صدر کو بھیجی۔ اس طرح ہے :۔

"یہ صلح یا عارضی صلح ایک عجیب ہیجان پیدا کرنے کا باعث ہوئی ہے۔ شہر میں ہر ایک کشمیری حیران اور پریشان نظر آتا تھا۔ بعض کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس کے متعلق واقف ہونے پر رونے لگے۔ بعض نے صدمہ کی وجہ سے کھانا نہ کھایا اور زیادہ آپے سے باہر ہونے والے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم ان نمائندوں کو قتل کر دیں گے اور اس کے بعد خود بھی خودکشی کریں گے۔ یہاں تک تو ہوا کہ بعض نے شیخ عبداللہ کو گریبان سے پکڑ کر مارا، بعض نے ان پر پتھر مارے اور بعض نے فحش گالیاں دیں اور ہر ایک نظر آرہا تھا کہ وہ اپنی قسمت کو رو رہا ہے۔ اس تمام کیفیت کی وجہ کیا تھی وہ صرف یہی تھی کہ شہر میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس عارضی صلح میں نمائندوں نے کشمیری مسلمانوں کو فروخت کر دیا ہے۔ بعض لوگ میرے پاس آکر کہنے لگے کہ آج تک تو ہم کشمیری پنڈتوں سے شیخ عبداللہ کے لئے لڑ پڑتے تھے اور کل اگر ہم ہی انھیں بے عزت کریں گے تو پنڈت لوگ ہمیں طنعہ دیں گے کہ ہم جو کہتے تھے عبداللہ تم کو دھوکہ دے گا سو وہ درست نکلا۔

شہر کے ایک حصے میں نمائندوں کے خلاف غیض و غضب نظر آتا تھا اور ہر ایک

کہتا تھا ہم انھیں بے عزّت کر کے اسٹیج پر آنے نہیں دیں گے۔"

ان تفصیلات کے ملتے ہی "کشمیر کمیٹی" کے صدر مرزا بشیر الدین محمود احمد فوری طور پر شیخ عبداللہ کے دفاع میں سامنے آ گئے۔ چونکہ حال ہی میں ان دونوں نے گڑھی حبیب اللہ سرحد کے ڈاک بنگلے میں ایک خفیہ معاہدہ کیا تھا۔ لہٰذا انھوں نے شیخ عبداللہ کے بچاؤ میں ایک پوسٹر چھپوا کر سرینگر بھیجدیا جس میں صلح نامہ کے خطرناک نقائص کی نشاندہی کر کے اس سے چھٹکارا پانے کا نسخہ تحریر کیا گیا۔

اپیل

"مسلمانوں کے نمائندوں نے یہ معاہدہ کیا ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے اس کا پوری طرح اتباع کریں کیونکہ مسلمان دھوکہ باز نہیں ہوتا اور جو قوم اپنے لیڈروں کی خود تذلیل کرتی ہے۔ وہ کبھی عزّت نہیں پاتی، نیز مسلمانوں میں قحط الرجال ہے اور کام کرنے کے قابل آدمی تھوڑے ہیں۔ پس انہی سے کام لیا جا سکتا ہے اور لینا چاہیے۔ پس یہ نہ ہونا چاہیے کہ اس مضمون کو پڑھ کر کوئی جوشیلا شخص جموں و کشمیر کے لیڈروں کی مخالفت شروع کر دے۔ انھوں نے دیانتداری سے کام کیا ہے اور ہمیں اُن کی قربانیوں کا احترام کرنا چاہیے اور ہنستے ہوئے ان کی غلطیوں کو قبول کرنا چاہیے۔ پھر اس کے ضرر سے بچنے کا بہترین طریقہ سوچنا چاہیے۔ وہ طریق میرے نزدیک یہ ہے کہ وقت کے تعیّن سے اس معاہدہ کے ضرر کو محدود کر دیا جائے اور آئندہ کے لئے اپنے آپ کو آزاد کر دیا جائے۔

دستخط کرنے والے نمائندگانِ ریاست کو ایک دوسری یادداشت یہ بھجوائیں کہ چونکہ عارضی صلح کا وقت کوئی مقرر نہیں اور یہ اصول کے خلاف ہے۔ اس فروگزاشت کا علاج ہونا چاہیے۔ پس اس کی معیاد ایک ماہ تک رکھی جائے۔ ایک ماہ تک مسلمانوں کے حقوق کے متعلق ریاست نے کوئی فیصلہ کر دیا تو اس کو مستقل صلح کی شکل میں بدل دیا جائے گا لیکن اگر ایک ماہ کے عرصہ میں ریاست نے رعایا کو ابتدائی انسانی حقوق نہ دیئے یا اُن کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کیا تو صلح ختم سمجھی جائے گی اور دونوں اپنی اپنی جگہ آزاد ہوں گے۔"

مرزا صاحب کی اس اپیل جس میں انھوں نے ایکارڈ کو توڑنے کی دلیل دی تھی۔ اس پر مسلم

رہنماؤں کی طرف سے غور و خوض تو ہوا لیکن عام لوگوں نے اس ایکارڈ کو اپنی شکست سے تعبیر کیا اور اس شکست کا ذمہ دار مسلم رہنماؤں کو ٹھہرانے لگے۔

چوہدری عصمت اللہ نے شیخ عبداللہ پر حملہ کی جو رپورٹ "کشمیر کمیٹی" کو بھیجی اس میں مسلمانوں کے خدشات کا ذکر کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا گیا کہ کشمیری پنڈت یہاں کے مسلمانوں کو شیخ عبداللہ کے بارے میں پہلے ہی خبردار کر رہے تھے کہ یہ شخص تمہیں دھوکہ دے گا۔

بقول چوہدری صاحب "بعض لوگ میرے پاس آ کر یہ کہنے لگے کہ آج تک تو ہم کشمیری پنڈتوں سے شیخ عبداللہ کے لئے لڑتے تھے اور اگر کل ہم ہی انھیں بے عزّت کریں گے تو پنڈت ہمیں طعنہ دیں گے ہم جو کہتے تھے شیخ عبداللہ تم کو دھوکہ دے گا۔ سو وہ درست نکلا۔"

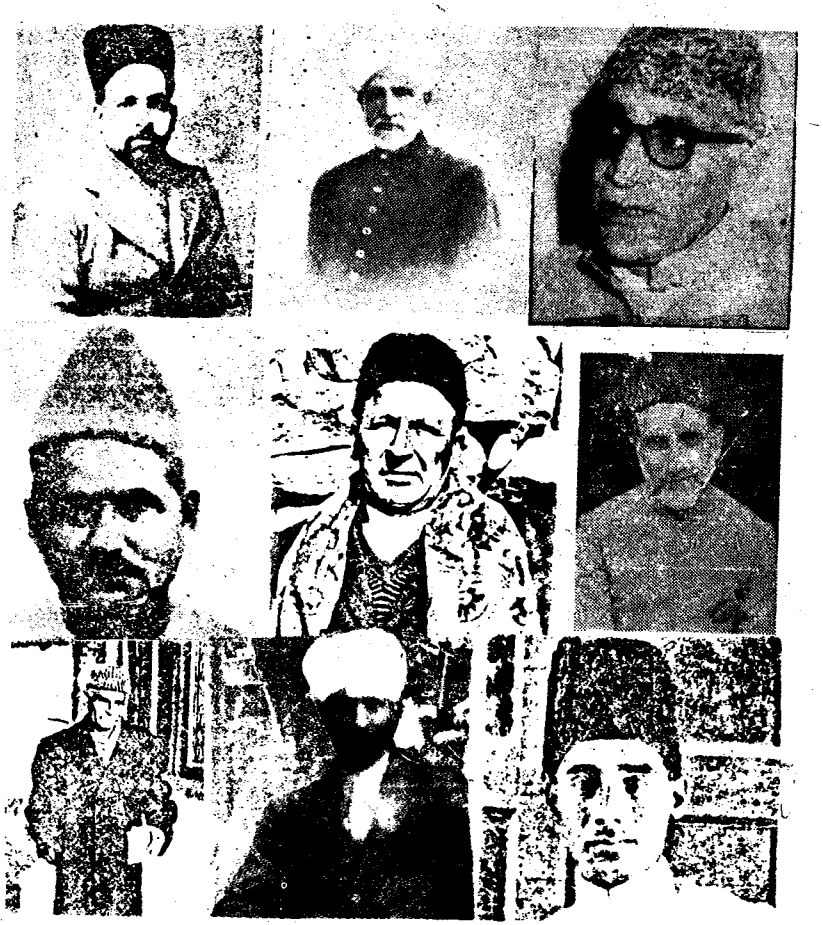
اس انکشاف سے صاف ظاہر ہے کہ کشمیری پنڈت رہنما ابتداء ہی سے شیخ عبداللہ کی فطرت سے واقفیت حاصل کر چکے تھے اور وہ یہاں کے مسلمانوں کو ان سے خبردار کرنے کا اپنا فرض ادا کر چکے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان پنڈتوں پر اعتبار کرنے کے بجائے شیخ عبداللہ پر کر رہے تھے۔

"سید مبارک علی شاہین" نے شیخ عبداللہ اور دوسرے مسلم رہنماؤں کو اس قسم کی حرکات جن سے تحریک کو زک پہنچنے کا احتمال ہو۔ اس سے باز آنے کا مشورہ دیا۔

کے۔ ایچ۔ خورشید، شیخ منظر مسعود، عبدالحمید خان، مرزا محمد حسین خان، سردار محمد عالم خاں اور مولانا عبدالعزیز راجوروی نے اس قسم کی حرکات پر سخت غم و غصہ کا اظہار کر کے اسے تحریک کے ساتھ غدّاری کرنے کا مترادف ٹھہرایا۔

مسلم لیڈران کو آئندہ اِن حرکات سے باز آنے کے ساتھ انھوں نے ڈوگرہ حکمرانوں کو متنبہ کیا جس کی پاداش میں ان کے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے گئے۔ کئی حضرات گرفتار کر کے جیل میں معتوب کیا گیا۔

تحریکِ حرّیت کے جانباز سپاہی



(۱) چوہدری غلام عباس خاں (۲) منشی شہاب الدین (۳) پیر مقبول گیلانی (۴) مفتی جلال الدین (۵) ایم اے صابر (۶) راجہ محمد اکبر خاں (۷) مولوی بشیر احمد (۸) غلام احمد عشائی (۹) مولوی عبدالرحیم۔

یہ عجب ہے رسم دنیا کہ ہر روز عید قرباں
وہی قتل بھی کریں اور وہی لے ثواب اس کا

کشمیر ایکارڈ اور اس کے اثرات

مسلم رہنماؤں کا مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ذلت آمیز سمجھوتہ کرنے پر لوگوں نے سخت ناراضگی اور برہمی کا اظہار کیا۔ مسلم رہنماؤں کے اس معاہدے کو لوگ شہیدوں کے خون کے ساتھ سودا بازی سے تعبیر کر کے سخت مشتعل ہو گئے اور انھوں نے کھلم کھلا ان مسلم رہنماؤں کو غداران قوم کہنا شروع کیا۔ اس طرح مسلم رہنماؤں کے تئیں لوگوں کی نفرت زور پکڑنے لگی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس وقت جبکہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو رہی تھی۔ ڈوگرہ حکومت کے ساتھ اس قسم کا ایکارڈ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور جن احباب نے ایکارڈ پر دستخط کئے۔ انھیں چاہیے تھا کہ پہلے اس ایکارڈ کو عوام کے سامنے رکھتے اور اس کے بارے میں عوام کی تائید حاصل کرتے لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا مسلم رہنما قصوروار ہیں اور عوام کی طرف سے انھیں اس قصور کی پوری سزا ملے گی۔

مسلم رہنماؤں کو اس سزا کے طور پر پہلے تو زبانی خوب بُرا بھلا کہا گیا لیکن جب اس سے جوش و جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوا تو قصوروار مسلم رہنماؤں کو جان سے ختم کرنے کا ارادہ کیا گیا اور باضابطہ طور پر لاٹھیوں اور چھریوں سے لیس ہو کر ان رہنماؤں کا پیچھا کیا گیا۔

ایکارڈ پر دستخط کرنے والے اگرچہ سبھی مسلم رہنما قصوروار تھے لیکن سب سے زیادہ موردِ الزام شیخ عبداللہ کو ٹھہرایا گیا اور لوگ انھیں جان سے ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ غلام احمد عشائی، منشی شہاب الدین اور مولوی یوسف شاہ کہیں چھپ گئے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کو مفتی ضیاء الدین کی طرف سے صرف دس منٹ قبل اطلاع مل گئی کہ کئی مشتعل لوگ لاٹھیوں اور چھریوں سے لیس ہو کر یہاں آ رہے ہیں اور آپ کو قوم سے غداری کی سزا

دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شیخ صاحب یہ اطلاع پاکر سٹپٹا گئے۔ پھر غصّہ کا اظہار کر کے کمرے میں ٹہلنے لگے۔ وہ مرزا باغ کے اس کمرے سے جانے نہ جانے کے بارے میں فیصلہ کر ہی رہے تھے کہ دور سے ایک شور سا سنائی دیا۔ مفتی ضیاالدین نے خدا کا واسطہ دے کر انھیں یہاں سے بھاگنے کے لئے کہا۔ اسی دوران بخشی غلام محمد ہانپتے کانپتے یہاں آ گئے اور انھوں نے شیخ صاحب کا بازو پکڑ کر انھیں جلدی جلدی باہر نکال لایا۔

باہر آ کر شیخ عبداللہ بھاگتے بھاگتے جمالتہ پہنچ گئے۔ جہاں انھوں نے عبدالغنی وانی کے گھر میں پناہ لی۔

شیخ عبداللہ کو غداری کی سزا دینے کے لئے کوئی بیس۲۰ آدمی لاٹھیوں اور چھریوں سے لیس یہاں مرزا باغ آئے جہاں شیخ صاحب ان دنوں قیام پذیر تھے۔ بلوائیوں کی قیادت گوجوارہ کے پیر امیرالدین اور نعلبند پورہ کے عبدالرزاق کبو کر رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں قصائیوں کی چھریاں تھیں اور وہ اپنے لیڈر کو قتل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب انھوں نے زور سے شیخ عبداللہ کا کمرہ کھول دیا تو یہاں کسی کو نہ پاکر انھیں مایوسی ہوئی۔ کہا جاتا ہے اس موقع پر عبدالرزاق کبو نے قصائی کی چھری سے اس کمرے کے در و دیوار اور کھڑکیوں پر وار کئے اور چلا چلا کر کہا۔

"غدّار میرے وار سے بچ نکلا، لیکن، بچ کر کہاں جائے گا۔"

دوسری رات کو ان میں سے سات آٹھ افراد نے گھات لگا کر اس کمرے پر دوبارہ حملہ کیا۔ لیکن شیخ صاحب آج بھی یہاں موجود نہیں تھے۔

(جولائی ۱۹۴۸ء کو جب شیخ عبداللہ ریاست کے ایڈمنسٹریٹر تھے تو انھوں نے عبدالرزاق کبو اور امیرالدین کو گرفتار کروا کر غلام قادر گاندربلی کے ہاتھوں ان کا جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں کچومر نکلوا دیا اور ان کی نشاندہی پر کم از کم ان سبھی افراد کو پکڑوایا گیا جو انھیں جان سے مارنے کی غرض سے ان کی قیام گاہ پر آئے تھے۔)

شیخ عبداللہ نے اس سارے واقعہ کا اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں گول مول سا ذکر کیا ہے۔

کشمیر ایکارڈ کی صورت حال سے پریشان اور خوفزدہ ہو کر مسلم رہنما اپنے اپنے گھروں میں رہنے سے کترائے۔ آخر بخشی غلام محمد، مفتی ضیاالدین احمد اللہ قدّہ اور پیر افضل مخدومی کی کوششوں سے انھیں پوشیدہ ٹھکانوں سے نکال کر آپس میں ملایا گیا اور گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لئے میر واعظ منزل لایا گیا۔

اگرچہ یہ رہنما ایک ایک کر کے خفیہ طور پر یہاں آ گئے لیکن کسی طرح ان رہنماؤں کا میر واعظ

منزل میں آنے کا انکشاف ہوا۔ لوگ یہاں جمع ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک جمِ غفیر جمع ہو گیا۔ لوگوں نے ان غدّاروں کے خلاف نعرے لگائے۔ مشتعل ہجوم نے ان غداران قوم کو باہر آنے کے لئے للکارا تو اندر سراسیمگی پھیل گئی۔ ان کی جان کے لالے پڑ گئے اور انھوں نے اپنی جان کی خیر منانی چھوڑ دی۔

مشتعل ہجوم کی طرف سے ان رہنماؤں کے خلاف گالیوں کی بوچھاڑ نے انھیں حواس باختہ کر دیا۔ ایسی عالم میں وہ اس ایکارڈ کی ذمہ داری ایک دوسرے پر عاید کرنے لگے۔ مولوی یوسف شاہ نے اس ایکارڈ کو مسلم رہنماؤں کے خلاف ایک سازش سے تعبیر کیا اور اس کی ذمہ داری خواجہ غلام احمد عشائی پر ڈال دی، شیخ صاحب نے عشائی صاحب کی طرفداری کی تو پیر یحییٰ سخت برہم ہوئے اور انھوں نے شیخ عبداللہ کو جلی کٹی سنائی، دیکھتے دیکھتے ایک دوسرے پر الزامات عاید کر کے تو تو میں میں کے بعد ہاتھا پائی تک کی نوبت پہنچ گئی۔

اندر یہ صورت حال تھی اور باہر سے قومی غداروں کو باہر نکل آنے کے لئے للکارا جا رہا تھا۔

میر واعظ منزل پر جب پتھر برسنے لگے تو شیخ صاحب نے کمال جرأت سے کام لے کر کھڑکی پر آ کر اس مشتعل ہجوم کو عاجزی سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن ہجوم نہ سمجھنا تھا نہ سمجھا۔ چنانچہ اندر سے ان کے نام ایک پرچہ لکھ کر بھیجا گیا۔ جس میں کل جامع مسجد میں لوگوں کو تمام حالات سے روشناس کرانے کی اطلاع درج تھی۔

ہجوم ان پرچوں کو بھیجکر آہستہ آہستہ منتشر ہو گیا۔

باہر شور رُک جانے کے بعد اندر پھر میٹنگ کا آغاز ہوا۔ ایکبار پھر ایک دوسرے پر الزامات اور جوابی الزامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کمرے میں شور غل تھم جانے کے بعد سعدالدین شال نے مسلم رہنماؤں کو ہوش کے ناخن لینے کا مشورہ دیا تاکہ یہ چھوٹ سر راہ آشکارا نہ ہو جائے اور ہم لوگوں کے عتاب کے ساتھ ساتھ حکومت کے ہاتھوں رسوا نہ ہو جائیں۔

شال صاحب نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ "یہ سمجھوتہ غلط تھا اور ہم سب اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس غلطی کو ہمیں قبول کر کے حالات کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے اور کوئی ایسی تجویز زیر غور لائیں جس سے سیخ کے ساتھ کباب بھی بچ جائے۔"

پیر یحییٰ شاہ نے اس موقع پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہا:

"ہمیں اپنی غلطی تسلیم کر کے لوگوں کے سامنے معافی مانگ لینی چاہیے۔"

شیخ صاحب نے اس کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ انھوں نے لوگوں کے سامنے غلطی تسلیم کرنے اور اس کی معافی مانگنے کے بجائے یہ رائے دی کہ لوگوں کو اس ایکارڈ کے مثبت پہلو سمجھا دیئے جائیں اور ان کے سامنے یہ بات واضح کر دی جائے کہ اس ایکارڈ سے عوام کی نہ کوئی ہار ہوئی ہے اور نہ ہم نے قوم کے ساتھ کوئی غدّاری کی ہے بلکہ اس ایکارڈ سے ہم سرکار کی لبوں تک آ گئے ہیں۔ سرکار نے ہماری حیثیت تسلیم کر لی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم وزیر اعظم کو وقت مقرر تک مطالبات پورا کرنے کا الٹی میٹم دیں گے۔ جیسا کہ کشمیر کمیٹی کے صدر نے تجویز کیا ہے۔

شیخ صاحب کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق کر کے سعد الدین شال نے مشورہ دیا کہ لوگوں کا اعتماد دوبارہ بحال کرنے کے لئے اس ایکارڈ کو توڑ دیا جانا چاہیے اور اس کے لئے ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ ایکارڈ توڑنے کا الزام گورنمنٹ پر عاید ہو۔ یہی ایک صورت ہے جس سے ہم لوگوں کے عتاب سے بچ سکتے ہیں۔"

شال صاحب کی اس تجویز کے ساتھ قریب قریب ہر ایک نے اتفاق کیا۔

اگلے روز جامع مسجد میں ایک عوامی جلسہ ہوا، مولوی یوسف شاہ نے معاہدے کی شرائط پڑھ کر سنا دیں اور اس کا پس منظر سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ ہم حکومت سے مل گئے ہیں۔ دراصل حکومت نے ہم سے درخواست کی کہ کچھ عرصہ تک ہم تحریک کو ملتوی کریں اور اس اثنا میں غور و فکر کے بعد وہ ہمارے مطالبات تسلیم کرے گی، میں خدا کے گھر میں کھڑے ہو کر عہد کرتا ہوں کہ مرتے دم تک قوم سے غدّاری نہیں کروں گا۔ بعض لوگوں کو خدشہ ہے کہ حکومت ہم کو دھوکہ دے رہی ہے اگر ایسا ہوا تو ہم اپنی جانوں پر کھیل کر اپنا ایک ایک مطالبہ پورا کر کے ہی دم لیں گے اور دُنیا پر ظاہر کریں گے کہ کشمیری بزدل نہیں۔"

اس موقع پر شیخ عبداللہ کلام پاک ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوئے اور اس پر ہاتھ رکھ کر قوم سے وفادار رہنے کا عہد کیا۔

انھوں نے فرمایا "صلح کی شرائط صرف ڈیڑھ ماہ کے لئے ہیں۔ اس کے بعد پتہ چلے گا کون کیا کہہ رہا ہے۔"

قرآن ہاتھ میں لے کر شیخ صاحب نے سراسر جھوٹ بولا۔ کیونکہ صلح کی شرائط میں کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ بلکہ یہ بشیر الدین محمود کی تجویز تھی۔

شیخ صاحب نے اس سمجھوتے کے فوائد بتانے کی کوشش کی اور واضح الفاظ میں کہا۔

"ہم دیکھ رہے ہیں گورنمنٹ کا طریقہ کار کیا ہوگا۔ اگر ہمیں دکھائی دیا کہ گورنمنٹ اس معاہدے پر پوری نہیں اُتری تو میں پہلا شخص ہوں گا جو کفن بردوش ہو کر صدائے احتجاج بلند کرے گا۔"

انھوں نے عوام سے مخاطب ہو کر کہا آپ ہم پر اعتبار کریں۔"

اس اجتماع کے بعد مسلم رہنماؤں نے کسی قدر اطمینان کا سانس لیا لیکن جب اس سلسلے میں انھوں نے سوپور میں جلسہ کیا تو یہاں پر نہ صرف انھیں گالیاں دی گئیں اور ہوٹنگ کی گئی بلکہ ان پر جوتے بھی پھینکے گئے۔ آدم پورہ سوپور کے عبدالغنی ملک نے قریب سے جوتا پھینکا جو شیخ عبداللہ کے سینے پر لگا۔ ایک جوتا عشائی صاحب کے دائیں کندھے پر لگا۔ سعد الدین شال کمال جرأت سے کام لے کر لوگوں کو سمجھانے کی کوشش نہ کرتے تو جلسہ درہم برہم ہو جاتا۔ سوپور کے کئی مقامی لوگوں جن میں صوفی محمد اکبر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے مسلم رہنماؤں کو بچانے میں اہم رول ادا کیا۔ سوپور کے بعد اگرچہ اسلام آباد میں ان پر جوتے نہیں برسے لیکن غدارانِ قوم مردہ باد کے نعروں سے ان کا سواگت کیا گیا۔

ایکارڈ کی مخالفت میں آہستہ آہستہ لوگوں کا جوش و جذبہ ٹھنڈا ہونے لگا تو مسلم رہنماؤں نے اس ایکارڈ کو توڑنے کا پلان بنایا تاکہ وہ دوبارہ لوگوں کا اعتماد حاصل کر سکیں۔ چنانچہ انھوں نے چھوٹے چھوٹے اجتماعات میں حکومت کے خلاف تقریریں کرنی شروع کیں۔

۱۷ ستمبر کو شیخ صاحب نے جمالٹہ میں تقریر کے دوران لوگوں کو سمجھایا کہ بعض لوگ نمائندگان پر شک کرنے لگے ہیں۔ میں ان کو بتانا چاہتا ہوں شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو یقین رکھنا چاہیے نمائندگان میں سے جو کوئی غلطی کرے گا اس کو عوام کے سامنے ننگا کیا جائے گا تم لوگوں کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے۔

اس طرح جب نئے سرے سے رہنما حکومت کے خلاف بولنے لگے اور دنگا فساد کرنے لگے تو حکومت حرکت میں آ گئی چنانچہ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو شیخ عبداللہ ایک اشتعال انگیز تقریر کی پاداش میں گرفتار کر لئے گئے۔ اس گرفتاری کے لئے انھوں نے خود ہی ماحول سازگار بنا دیا کیونکہ اس طرح اُن پر لگا غداری کا داغ مٹ گیا۔

شیخ عبداللہ کی اس گرفتاری سے لوگ مشتعل ہوئے، مظاہرے، ہڑتالیں، جلسے اور جلوس دوبارہ شروع ہو گئے اور تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے وار کونسل کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس کونسل کے بارے میں ہاتھ سے لکھے گئے پوسٹروں کے ذریعے تشہیر کی گئی۔ اسی دوران خانقاہ معلّی

کے اسٹیج پر ایک جم غفیر کے سامنے مفتی جلال الدین تقریر کر رہے تھے کہ رسالہ فوج نے آکر مجمع پر چڑھائی کی۔ اس سے ایک بھگدڑ مچ گئی، ایک زبردست شور و شر ہوا۔ ڈوگرہ فوج نے لوگوں پر سنگینوں سے حملہ کیا اور پھر فائرنگ کی جس سے تین آدمی رسول ہاگرو ساکنہ درگجن حسن میر ساکنہ چنکرال محلہ اور اسد کمار ساکنہ نرپرستان موقعہ پر ہلاک ہوئے اور ایک عورت سمیت درجنوں کی تعداد میں لوگ زخمی ہوئے۔ زخمی لوگ مولوی یوسف شاہ کی ہدایت پر جامع مسجد میں جمع ہو گئے۔ لوگوں کو ہسپتال لیجایا گیا اور زخمی عورت کے ساتھ تین شہیدوں کو جامع مسجد لایا گیا۔

اُدھر گاؤکدل کے پاس ایک لڑکا نیزہ کی زد سے زخمی ہو گیا۔ سارے علاقے میں انتشار پھیل گیا عورتیں اور بچے جلوس کی صورت میں آگے بڑھنے لگے۔ ڈوگرہ سپاہیوں نے اُن کو منتشر کرنے کے لئے گھوڑے دوڑائے۔ بسنت باغ کے قریب عورتوں کے ایک جلوس کے ساتھ ڈوگرہ فوج کا تصادم ہوا یہاں پر فائرنگ سے چار مرد اور ایک عورت مر گئی۔

جامع مسجد میں لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو گئے جہاں پر مولوی یوسف شاہ نے حکومت کے ساتھ عارضی صلح توڑنے کا اعلان کیا۔ کیونکہ اس کا فیصلہ پہلے ہی میرواعظ منزل کی میٹنگ میں کیا گیا تھا اس طرح کئی لوگوں کو قربان اور درجنوں کو زخمی کروا کر اس خونِ ناحق سے اپنی غداری کے داغ دھوڈالے گئے، ان خونی فسادات سے مسلم رہنماؤں کا وہ مقصد پورا ہوا جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔

مشتعل ہجوم خانقاہ کے تین اور بسنت باغ کے چار میں سے دو شہیدوں کا جلوس نکالنے لگے تو حکومت نے فوری طور پر حرکت میں آکر شہر میں کرفیو نافذ کرادیا۔

اگلے روز ان قربانی کے بکروں کو دفنانے سے پہلے ان کا جلوس نکالنے کے لئے نواب خسرو جنگ اور صاحبزادہ نور محمد کے ساتھ مسلم رہنماؤں کی بات چیت کامیاب رہی چنانچہ جامع مسجد سے ماتمی جلوس ترتیب دیا گیا۔ جلوس کے آگے آگے چھوٹے بچے رکھے گئے۔ ان کے بعد جوان لڑکے لڑکوں کے بعد جوان مرد اور پھر بوڑھے رکھے گئے۔ آخر میں عورتیں رکھی گئیں۔ سبھی مرثیہ پڑھ رہے تھے۔

جلوس مزار شہداء پر اختتام پذیر ہوا۔

خانقاہ معلیٰ اور بسنت باغ کے ان خونی واردات کی اطلاع دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک زبردست ہلچل مچ گئی۔ دنگا فساد شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام آباد میں فائرنگ کی گئی۔ اسلام آباد میں جلوس پر شام کے وقت فائرنگ کی گئی۔ اس

خونی واردات سے سارا اسلام آباد قصبہ ماتم کدہ بن گیا۔

قتل و غارت اور قید و بند کی اس نئی لہر کے دوران وزیر اعظم ہری کرشن کول اور میرواعظ مولوی یوسف شاہ کے درمیان کئی خفیہ ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں کا راز افشا ہوا تو مولوی یوسف شاہ کے بارے میں کئی اندیشے پیدا ہو گئے۔ کئی اجتماعات میں جب ان پر ہوٹنگ کی گئی اور ان کو برا بھلا کہا گیا تو انھوں نے لوگوں کا ذہن صاف کرنے کے لئے حکومت کے خلاف اعلانِ جہاد کیا۔

فسادات کی ایک نئی لہر شروع ہو گئی۔ شوپیان میں مولوی عبداللہ وکیل کو گرفتار کر کے ان پر بغاوت کا الزام عاید کیا گیا۔ یہاں تین آدمی گولیوں سے مارے گئے اور سات زخمی ہو گئے۔

تمام مساجد کے اماموں سے تحریری اقرار لیا گیا کہ کسی بھی مسجد میں کوئی سیاسی جلسہ نہیں ہوگا اور اگر کسی مسجد میں کسی نے بھی کوئی سیاسی تقریر کی تو اس کی ذمہ داری اس مسجد کے امام پر عائد ہوگی۔

خونی فسادات یکم اگست سے ۳ اکتوبر تک جاری رہے۔ اس دوران مختلف جگہوں پر ۵۱ آدمی مارے گئے اور پچاسی کے قریب زخمی ہوئے۔ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ یہ سارے لوگ جو موت کے گھاٹ اُتارے گئے اور زخمی کئے گئے۔ ان کا خون بعض مسلم رہنماؤں کا غداری کا داغ دھلنے کے کام آگیا۔

شاید ان قربانی کے بکروں میں اور اضافہ ہو جاتا۔ اگر ۵ اکتوبر کو مہاراجہ ہری سنگھ اپنی سالگرہ کے موقع پر تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی اور مارشل لاء میں ترمیم کرنے کا اعلان نہ کرتے۔



تحریکِ حُرّیت کے جانباز سپاہی :۔

(۱) اللہ رکھا ساغر ۔ (۲) عبدالمجید قرشی (۳) مولانا میرک شاہ اندرابی (۴) محمد اکبر ڈار ۔ (۵) احمداللہ شہداد (۶) عبدالمجید سالک ایڈیٹر انقلاب، (۷) مفتی ضیاء الدین پونچھی (۸) حسین شاہ جلالی (۹) مولوی احمداللہ ہمدانی۔

ہم پر بھی سنگ برسے ہیں بس اتنی بات پر
ہاتھوں میں تھی کتاب لبوں پر اصول تھے

تحریکِ حُرّیت کا دُوسرا پڑاؤ

تحریکِ حُرّیت نے وادی سے نکل کر جمّوں کا رُخ اختیار کر لیا اور کئی جگہوں پر دنگا فسادات شروع ہو گئے سب سے زیادہ خطرناک صورتِ حال اس فساد نے میرپور میں اختیار کر لی۔ جمّوں کی "ینگ مینز ایسوسی ایشن" کے لیڈر سردار گوہر رحمان نے حکومت کی طرف سے لگان میں اضافہ کے خلاف ٹیکس نہ دینے کا فیصلہ کر لیا تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ لوگ گوہر رحمان کی حمایت میں نکل آئے اور انھوں نے ٹیکس دینا بھی بند کر دیا، حکومت کے لیے ایک مشکل صورتِ حال پیدا ہو گئی اور اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے سرکار نے نوٹیفکیشن ۲۴، ایل کا نفاذ عمل میں لایا۔

ٹیکس ادا نہ کرنے والوں کے لیے سخت سزائیں مقرر کی گئیں اور اس کی پاداش میں لاتعداد مسلمان جیلوں میں بند کر دیئے گئے ان کی جائیداد نیلام کر دی گئی جس سے لوگ مشتعل ہو گئے سردار گوہر رحمان اور اللہ رکھا ساغر کو گرفتار کر لیا گیا۔

میرپور کے ہندوؤں نے اپنے آپ کو سرکار کے ساتھ وابستہ کیا اور انھوں نے ٹیکس ادا نہ کرنے والے مسلمانوں کی کُھلم کُھلا مذمت کی ، جس کی وجہ سے کئی جگہوں پر ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے ان فسادات کو پھیلنے سے روکنے کے لیے میرپور کو فوج کے حوالے کیا گیا۔ میرپور کے جاگیردار جو پہلے ہی مسلمانوں کے تئیں بے انصافی برتنے میں پیش پیش تھے، مسلمان رہنماؤں کو گرفتار کرانے میں جُٹ گئے۔ بیشتر مسلمانوں کی گرفتاری کے ساتھ مسجدوں میں تالے لگائے گئے یہاں تک کہ عیدگاہوں میں نماز ادا کرنا جرم قرار دیا گیا۔

اس کے باوجود بھی ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء کو عید کے موقع پر بے شمار مسلمان عیدگاہ میں جمع ہوئے ہندوؤں نے اس شک پر اپنی دوکانیں بند کر دیں کہ شاید مسلمان عید نماز کے بعد واپسی پر

ان سے بدلہ نہ لیں۔

پولیس اور فوج نے ایس ڈی ایم تیرتھ سنگھ کے حکم کے تحت عیدگاہ کو گھیر لیا، چند مسلمانوں کو پھنسا کر ان کے ذریعے نمازیوں کو عیدگاہ سے چلے جانے کو کہا گیا لیکن عام مسلمانوں نے اس بات کا یقین دلایا کہ نماز پڑھنے کے سوا اور کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کی جائے گی۔

نماز سے فارغ ہو کر جب وادی کشمیر کے شہیدوں کو خراجِ عقیدت ادا کرنے کی تحریک پیش کی گئی تو سردار تیرتھ سنگھ کی قیادت میں ایک رسالہ پلٹن یہاں آ گئی۔ منصف امرناتھ نے انہیں مسلمانوں پر یلغار کرنے کا حکم دیا۔

اجتماع کو ٹھاکر دوارہ کی طرف ہانک دیا گیا جس کی طرف ایک تنگ فٹ پاتھ تھا، اس فٹ پاتھ کے ایک طرف دریا ہے اور دوسری طرف پہاڑی، جب مسلمانوں کا بہت بڑا ہجوم اس فٹ پاتھ پر چلنے لگا تو پیچھے سے آنے والے ہجوم کو ان کی طرف دھکیل دیا گیا، ایک بھگدڑ مچ گئی جس سے کئی لوگ گر گئے اور وہ ہجوم کے پاؤں تلے روندے جانے لگے، کئی گرتے لڑھکتے پانی میں ڈوب گئے۔ اسی دوران اندھا دھند فائرنگ کی گئی جس سے ۲۵، افراد موقع پر ہی شہید ہو گئے۔

اس خونریزی میں بھی کئی جیالے مسلمانوں نے جان پر کھیل کر مقابلہ کیا اور ان ہندوؤں کی دکانوں اور مکانوں سے وہ رجسٹریاں حاصل کر کے جلا ڈالیں جن میں ان کے پرکھوں کا قرض سود در سود درج تھا اور جو سالہا سال کی ادائیگی کے بعد بھی اصل زر سے کئی گنا زیادہ حالت میں موجود تھا۔

میرپور کی یہ اندوہناک کہانی اس سے قبل کوٹلی اور اس کے آس پاس کے گاؤں میں بھی دہرائی تھی۔ ۱۸ء اور ۱۹ جنوری کی رات کو اس علاقے کے مسلمانوں نے ڈوگرہ فوج پر حملہ کیا تصادم میں چھ مسلمان ہندو سے گئے۔ اس کے جواب میں مسلح فوج نے ۲۵ جنوری کے روز ان مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا جو ہندو جاگیرداروں کے لیے معرکہ آرائی کا ارادہ رکھتے تھے، اس کے باوجود بھی چند ہندو گھرانے جلائے گئے تھے۔

ڈوگرہ فوج نے علاقہ محاصرے میں لے لیا اور مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی، ایک مقامی لیڈر گل محمد کے گھر میں اس صورتِ حال پر غور خوض ہو رہا تھا کہ کسی نے افواہ اڑائی کہ یہاں مسلمان ڈوگرہ فوج پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے ڈوگرہ فوج نے اس گھر کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور اس میں آگ لگا دی گئی

کئی مسلمان زندہ جلائے گئے تھے۔ دوسرے روز ان سبھوں کی جلی ہوئی لاشیں ایک ہی قبر میں دفنائی گئیں۔

اس دوران بے شمار مسلمانوں کو گرفتار کر کے مختلف تکلیفوں میں انہیں مبتلا کیا گیا۔ کوٹلی کا یہ دردناک حادثہ ابھی تازہ تھا کہ میرپور میں دہشت گردی کا بھیانک کھیل کھیلا گیا۔ سردار گوہر رحمان جو کٹھوعہ جیل میں نظر بند تھے جب انہیں ان دہشتناک واقعات کی اطلاع مل گئی تو انھوں نے میرپور کے مسلمانوں کے نام ایک بیان جاری کیا۔

"برادران اسلام!

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری گرفتاری کے بعد سے آج تک آپ کو بے انتہا مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آپ کو توپوں اور بندوقوں سے کچلنے کی کوشش کی گئی ہے اور آپ کو دو ایک بار گولی کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے۔ لگان وصول کرنے کے لیے حکومت نے آپ کے مویشی حتیٰ کہ آپ کی پردہ دار عورتوں کے زیور بھی بہ جبر ضبط کر لیے ہیں۔ آپ کو مرعوب کرنے کے لیے زمین پر بے انتہا ڈوگرہ فوجیوں کی اور سر پر مستعار رہوائی جہازوں کی نمائش ہو رہی ہے۔ دوسری طرف سید بڈھے شاہ جو اس سے قبل سرینگر اور جموں میں حکومتِ کشمیر کی بیش بہا خدمات ادا کر چکے ہیں آپ کو ہر ممکن طریق سے گمراہ کرنے میں کوشاں ہیں وہ میرپور کے دو ایک مولویوں کو اپنے ڈھب پر لے آئے ہیں اور ان نام نہاد علماء کے دستخطی اعلان سے آپ کو لگان کی ادائیگی کی ترغیب دی جا رہی ہے لیکن الحمد للہ کہ آپ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے جائز حقوق کے مطالبہ پر اڑے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو اعلان ہذا کے ذریعے مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ سید بڈھے شاہ اور اس قسم کے دوسرے غدارانِ ملّت کے فریب سے آپ کے لیے بچنا ضروری ہے اور ان مصائب میں جن کا آج کل آپ کو سامنا ہے ہر طرح ثابت قدم رہنا ہی خدا کے فضل و کرم سے کامیابی و کامرانی



سردار گوہر رحمان

کی دلیل ہے تا آنکہ آپ کے مطالبات مان لیے جائیں۔
اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کا حافظ و ناصر ہے۔

آپکا خادم
گوہر رحمان کٹھوعہ جیل ۔"

سرینگر میں سردار گوہر رحمان کے اس بیان کا شدید ردِّ عمل ہوا، خانقاہِ معلّیٰ میں مفتی ضیاء الدین پونچھی نے حکومت کے خلاف سخت الفاظ میں اس کی نکتہ چینی کی اور حکومت کو میرپور کے مسلمانوں پر ہاتھ روکنے کی وارننگ دی۔ مفتی صاحب کے لب و لہجہ کا حکومت نے سخت نوٹس لیا پہلے انھیں گرفتار کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی انہیں جلائے وطن کیے جانے کا حکم سنایا گیا۔

مسلمان نمائندوں نے جلائے وطنی کے اس حکم پر زبردست پروٹسٹ کیا۔ شیخ عبداللہ اور دوسرے کئی اصحاب احتجاجی مراسلے لے کر گورنر کشمیر ٹھاکر کرتار سنگھ کے پاس گئے۔ گورنر نے انھیں وزیراعظم سے رجوع کرنے کو کہا، وزیراعظم کی کوٹھی پر اس وفد کو دو گھنٹے تک روکے رکھا گیا۔ ملاقات کے انتظار میں انہیں ذہنی کوفت میں مبتلا کر دیا گیا۔ اس دوران مفتی ضیاء الدین کو جلاوطنی کے پہلے پڑاؤ کے طور پر جموں پہنچایا گیا، جب مسلم نمائندگان کو حکومت کی اس چال کا پتہ چلا تو شیخ عبداللہ مسٹر گلینسی کے پاس شکایت کرنے گئے۔ لیکن یہاں انھیں اپنے جذبات قابو میں رکھنے کی ہدایت کے سوا اور کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا۔ انہیں اس سلسلے میں فی الحال خاموش رہنے کو کہا گیا لیکن انھوں نے جمعہ ۲۳ جنوری کو خانقاہ معلّیٰ میں اجتماع کے سامنے مفتی ضیاء الدین پونچھی کی گرفتاری اور جلائے وطنی پر حکومت کی شدید الفاظ میں نکتہ چینی کی، اس نکتہ چینی کی پاداش میں انہیں اسی رات گرفتار کر لیا گیا۔ حالانکہ گرفتاری سے قبل ہاؤس بوٹ میں جہاں وہ قیام پذیر تھے وزیراعظم کے پرائیویٹ سیکریٹری پنڈت جیون لال نے انھیں اطلاع دی تھی کہ مفتی ضیاء الدین کے بارے میں حکم کی نظر ثانی کی جا رہی ہے۔ لہٰذا سیاسی فضا پرامن رکھی جائے۔


مفتی ضیاء الدین پونچھی

مفتی ضیاء الدین پونچھی اور شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری پر مولوی عبداللہ وکیل نے

فرمایا کے لیے ایک بیان جاری کیا:

"مفتی ضیاء الدین صاحب کو، جو مسلمانانِ کشمیر کے مفاد کے لیے ایک قیمتی وجود ہیں گذشتہ ہفتہ جلاوطنی کا حکم موصول ہوا تھا۔ جس پر مسلمانوں نے پروٹسٹ کیا حکام کی طرف سے مسٹر ایس، ایم عبداللہ کو امید دلائی گئی کہ معاملہ پر دوبارہ غور ہو رہا ہے سوموار کے روز وہ اس غرض سے گورنر کے پاس گئے کہ جموں میں ٹیلی فون پر دوبارہ غور کا نتیجہ معلوم ہونے کی توقع تھی جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا، لیکن ابھی آپ وہیں تھے کہ پولیس نے مفتی ضیاء الدین کو جبراً ریاست سے باہر بھیج دیا جس سے پبلک میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا، پچھلے پہر بہت لوگ خانقاہِ معلّیٰ میں جمع ہو گئے جن کے سامنے محمد عبداللہ نے تقریر کی، غروب آفتاب کے بعد آپ کو معہ چھ رفقاء کے تقریر کرنے اور خلاف قانون مجمع میں شمولیت کی بناء پر گرفتار کر لیا گیا۔ ان کا مقدمہ آج سے شروع ہے پبلک بے صبری سے نتیجہ کی منتظر ہے حالات سخت نازک ہیں اور اگر اس تشدد کو دور کرنے کا جلد انتظام نہ کیا گیا تو نہایت ناگوار نتائج کا احتمال ہے۔"

اِن گرفتاریوں کے ساتھ ہی شہر سرینگر میں مارشل لاء ۱۹ اپریل جاری کیا گیا، قیدیوں کو ایک مختصر سی پیشی کے بعد چھ ماہ کی سزا دے کر سرینگر سینٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ یہاں ان کی ملاقات مولانا محمد سعید مسعودی سے ہوئی جو ایک سیاسی تقریر کی پاداش میں پہلے ہی پابندِ سلاسل کیے گئے تھے۔

جموں کے مسلم نمائندگان نے مہاراجہ ہری سنگھ کے نام ایک احتجاجی مراسلہ روانہ کیا جس میں مفتی ضیاء الدین پونچھی سردار گوہر رحمان، شیخ عبداللہ اور دیگر ساتھیوں کی گرفتاری پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا اور حکومت کو وارننگ دی گئی کہ اگر یہ حکم واپس نہیں لیا گیا تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

"ہم نمائندگان جموں مؤدّبانہ گزارش کرتے ہیں، چونکہ اب تک کشمیر میں حالات بالکل پُرامن ہیں اور آپ کی رعایا بالکل وفادار رہی ہے اس لیے صوبہ جموں میں ریگولیشن ۱۲ ر ۱۹۱۸ء کا نفاذ منسوخ کر دیا جائے اس ضمن میں شیخ عبداللہ نے جو تار سرکار کو بھیجا ہے ہم اُس کی حمایت کرتے ہیں۔

مفتی ضیاء الدین کی جلاوطنی کی وجہ سے بھی جوش پھیل گیا ہے افسوس ہے کہ مفتی صاحب کو اپنی پوزیشن واضح کرنے کا موقع نہ دیا گیا اور اُن کی بابت کشمیر کے

نہایت بارسوخ رہنما شیخ محمد عبداللہ نے جو یقین دلایا تھا اس پر کوئی غور نہیں کیا گیا ایک نمائندے کے یقین دلانے کو قابلِ توجہ نہ سمجھنا، اس جماعت کی توہین ہے جس کا وہ نمائندہ ہے اس لیے ہم نہایت مؤدبانہ طور پر ہز ہائینس سے درخواست کرتے ہیں جیسا کہ شیخ عبداللہ نے درخواست کی تھی کہ مفتی ضیاء الدین کی جلا وطنی کا حکم واپس لے لیا جائے۔ ہم اس کی توثیق کرتے ہیں، مفتی صاحب کی جلا وطنی پر کشمیر میں بہت جوش پھیل گیا تھا۔ لوگ قدرتی طور پر اپنے غصّے کے جذبات کو مظاہروں کی شکل میں ظاہر کرنا چاہتے تھے لیکن افسوس ہے حکام اس ضمن میں ایک پُر امن جلوس کو بھی برداشت نہ کر سکے۔ اس پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ شیخ عبداللہ کو بھی گرفتار کیا گیا، ان کی گرفتاری پر بہت بدامنی پھیل گئی اور ہمیں خطرہ ہے کہ اس نازک موقع پر اس غیر دانشمندانہ گرفتاری پر نباہ کن نتائج برآمد نہ ہوں۔

جموں میں پہلے ہی بے حد کشیدگی ہے کیونکہ ہندو ہر روز جلسے منعقد کر رہے ہیں جن میں اشتعال انگیز تقریریں کی جاتی ہیں۔ میر پور کی صورت حال پر بھی پورے طور پر قابو حاصل نہیں ہوا ہے۔ کوٹلی اور دوسرے اطراف سے اضطراب انگیز خبریں برابر موصول ہو رہی ہیں، یہ تمام واقعات افسوسناک ہیں۔ اِن حالات میں ہم شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے خلاف پُر زور احتجاج کرتے ہیں۔

دستخط

چوہدری غلام عباس خاں، عبدالحمید خاں، مستری یعقوب علی

۱۱ر فروری ۱۹۳۲ء "

۱۵ر فروری سے شہر میں بدامنی کا دور دورہ شروع ہوا، جلسے جلوس اور مظاہرے شروع ہوئے، خانقاہ معلّیٰ، جامع مسجد اور حضرت بل سیاسی سرگرمیوں کے مراکز بن گئے لوگ گرفتاریاں دینے کے لیے اسٹیج پر آئے اور ڈوگرہ راج کے خلاف نعرے بلند کر کے گرفتار ہوتے گئے۔

۱۹ر اپریل کی خلافِ ورزی کی پاداش میں ایک ہی پیشی پر انھیں تین ماہ سے چھ ماہ تک اور دس روپے سے پچیس روپے تک کا جرمانہ سنایا گیا۔

جموں کے مسلم نمائندگان شیخ عبداللہ کی رہائی کے لیے جد و جہد کر رہے تھے۔ اور شیخ عبداللہ سمجھ رہے تھے شاید انھیں طویل مدت تک قید میں رہنا پڑے گا۔ قید تنہائی میں انھوں نے محسوس

کیا شاید انہیں کوٹلی اور میر پور کے واقعات کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ کچھ بھی ہو اس وقت وہاں کے سچے کچّے اور دبے کچلے مسلمانوں کو مسلم رہنماؤں کی طرف سے حوصلہ افزائی کی ضرورت تھی اور اُن کے زخموں پر مرہم رکھنے کی ضرورت تھی لیکن اس کے برعکس ان کے زخموں پر نمک پاشی کی گئی۔

شیخ عبداللہ نے جیل سے اس سلسلے میں وزیر اعظم کو جو خطوط لکھے وہ اس طرح ہیں:۔

" کوارٹر گارڈ، بادامی باغ چھاؤنی

۲۳ر جنوری ۱۹۳۲ء

آنریبل جناب پرائم منسٹر صاحب!

جنابِ والا! میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے اعلان کے باوجود ملک میں افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ میں نے عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک شروع کر رکھی ہے یا شروع کرنے والا ہوں۔

میں اس خطرناک اور مکروہ ذہنیت پر بے حد افسوس کا اظہار کرتا ہوں اس قسم کی افواہیں پھیلا کر غریب کسانوں کو عام طور پر مصائب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کولگام اور بارہمولہ کے غریب کسانوں کو بالخصوص تکلیف میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس موقع پر میں علی الاعلان کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانانِ کشمیر سول نافرمانی کے پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک کے مخالف ہیں لہٰذا میں آپ پر یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ انتظامیہ کے افسروں کو ہدایت کر دیں کہ ان افواہوں پر پریشان نہ ہوں اور خود غرض مفسد پردازوں کی اُڑائی ہوئی افواہوں اور صوبہ بازوں سے متاثر نہ ہوں میں ریاست میں امن و امان کا آرزومند ہوں، مجھے امید ہے کہ میری بات پر یقین کر لیا جائے گا۔

آپ کا

ایس، ایم، عبداللہ

شیخ محمد عبداللہ کی اس یقین دہانی اور تحریک کے ساتھ اس غداری کے باوجود جب حکام نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو انھوں نے وزیر اعظم کو ایک اور خط لکھا:۔

"۳۰ر جنوری ۱۹۳۲ء

گوارٹر گارڈ بادامی باغ چھاؤنی

پیارے جناب آنریبل پرایم منسٹر صاحب!

جناب والا!

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے پرائم منسٹر بننے سے ہماری یہ امید بندھ گئی تھی کہ آپ دوسرے حاکموں کے مقابلے میں ہمارے ساتھ انصاف سے کام لیں گے مگر آپ نے وزارت عظمیٰ سنبھال کر اب تک دو بار مجھے قید کرا دیا۔ پہلی بار جب مجھے قید کرایا گیا تو اس وقت آپ کے پاس شہر میں شورش کا جواز تھا مگر اب کی بار ۲۳ر جنوری کو کس قصور کی بناء پر مجھے گرفتار کروایا گیا۔ یہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔

میرا خیال ہے شاید مجھے میرپور اور کوٹلی کے واقعات سے جوڑ دیا گیا ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرپور کے باشندگان کا اپنا اندرونی معاملہ ہے جس کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا گزارش ہے کہ اس تحریک کے ساتھ ہمیں ہرگز منسلک نہ کریں۔

آپ کی درازیٔ عمر کا دعاگو

"تابعدار آپ کا

(انگریزی سے ترجمہ) ایس۔ ایم۔ عبداللہ"

وزیر اعظم ہری کرشن کول نے اسی خط پر شیخ عبداللہ کی رہائی کی سفارش لکھ کر مہاراجہ کی خدمت میں بھیج دیا۔

میرپور کے خونریز فسادات اور وہاں کے مالی اور جانی نقصانات کی تفصیل لے کر چوہدری غلام عباس خاں کی سرکردگی میں ایک وفد مسٹر گلینسی سے ملا، وفد نے میرپور میں قتل و غارت کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کی گرفتاری سے پیدا شدہ صورتِ حال سے مسٹر گلینسی کو واقفیت دلادی اور ان سے درخواست کی اگر وہ ہری سنگھ سے بالمشافہ ملاقات کرانے میں ہماری مدد کریں تو بہت ساری غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔

۲۹ر جنوری کو نمائندگان کو اطلاع دی گئی کہ ۳۰ر جنوری دن کے تین بجے مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کا وقت مقرر ہوا ہے۔ وفد تین بجے مہاراجہ بہادر کی قیام گاہ پر پہنچا تو مہاراجہ اور

وزیر اعظم کے ساتھ ان کا تبادلہ خیال ہوا۔ وفد میں چوہدری غلام عباس خاں، مستری یعقوب علی، سید محمد امین اور شیخ محمد امین شامل تھے۔

وفد کی طرف سے مستری یعقوب علی نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا، مہاراجہ کی طرف سے جوابات وزیر اعظم راجہ ہری کرشن کول دے رہے تھے۔ یہ ملاقات دو گھنٹے تک جاری رہی جس میں مسلم وفد نے عوام پر روا رکھے گئے ظلم و ستم کی تفصیلات پیش کر دیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے وفد کی شکایات گرہ میں باندھ لیں۔ اور مناسب وقت پر وزیر اعظم ہری کرشن کول کو وزارت عظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا۔

شیخ محمد عبداللہ نظر بندی سے رہا کیے گئے تو وہ ٹوٹ سے گئے تھے، وہ بے حد مایوس تھے۔ رہائی کے بعد وہ سرینگر کی اپنی رہائش گاہ پر آئے تو انھوں نے منشی نصیر الدین کو اپنے ساتھ رہنے کو کہا جو حال ہی میں ۹ ماہ کی قید کاٹ کر آئے تھے۔

بقول نصیر الدین اُن دنوں ہماری حالت بے کسی کی سی تھی۔ محمد یوسف علیگ شیخ عبداللہ کی مالی مدد کیا کرتے تھے، اور مولوی محمد سعید مسعودی ان کا جیب خرچ پورا کرتے تھے۔ لیکن میرے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔ میں نے شیخ عبداللہ کے سامنے تجویز رکھی کہ کیوں نہ ہم لوگوں سے چندہ کی اپیل کریں۔ چنانچہ ہم نے چند خصوصی محبّوں کو بُلایا ان میں غلام احمد وانی آبی گزر، میر مقبول خانیاری، خواجہ حبیب اللہ، خواجہ مہدہ جوشکی، حاجی فرید، خواجہ عبدالرزاق بیگ وغیرہ شامل تھے۔

شیخ صاحب نے ان سے چندہ دینے کی اپیل کی اور ہمیں اس طرح نو سو روپے مہیا ہو گئے ہم نے از سرِ نو سرگرمی شروع کر دی، اسی دوران ہمیں پتھر مسجد واپس مل گئی ہم نے وہاں پر عارضی طور پر دفتر کھولا، ابتدائی وفادار رضا کاروں میں سے نور محمد، عبدالغفار، محمد یحییٰ رفیقی کو دفتری کام سنبھالنے کے لیے رکھا گیا۔

ہم نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لیے چندہ جمع کرنے کی ایک سکیم ریلیف کے نام پر مرتّب کی۔

اس میں پیر فخر الدین، پیر مقبول سیفی، غلام الدین بانڈے کو آنریرم دے کر مامور کر دیا۔ ریلیف کا پہلا تجربہ میں نے تحصیل پلوامہ میں اپنے چھوٹے بھائی نذیر احمد سے کرایا جو کامیاب رہا۔

شیخ محمد عبداللہ نے شہر کے علاوہ مفصلات کا دورہ شروع کیا اور ہر جگہ ہمیں روپے ملتے

رہے۔ شہر میں تنظیمی کمیٹیاں ہر محلے میں قائم ہو چکی تھیں اس سے ہمیں مستقل طور پر ایک آمدنی ہوتی رہی۔

دفاتر میں مسلمان ملازمین سے بھی ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے تنخواہوں سے زرچندہ وصول کرنے کا بندوبست کر دیا۔ اس ساری رقم کا بیشتر حصّہ شیخ صاحب کے ذاتی اخراجات کے لیے وقف کیا گیا تھا۔"



باب (۳)

کشمیر میں ۱۹۳۱ء کا سانحہ
اور
اِس پر بیرونی اثرات

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سُنتا ہے اُسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

جُز

صفحہ نمبر

۱۔ تحریکِ حرّیت اور کشمیر کمیٹی ——— ۱۲۷

۲۔ کشمیر کی تحریک حرّیت پر مالِ غنیمت کا اثر ——— ۱۳۷

۳۔ کشمیری رہنما پر مرزائیت کا لیبل ——— ۱۴۷

۴۔ کاروانِ احرار ——— ۱۵۳

۵۔ مجلس احرار کا کشمیر تحریک میں شمولیت ——— ۱۶۳

۶۔ کاروان احرار کی یلغار ——— ۱۷۱

فقط اس آسرے پر رات کاٹی شمع نے رو کر
کہ شاید صبح تک زندہ مرا پروانہ ہو جائے

تحریکِ حُرّیت اور کشمیر کمیٹی

ریاست جموں و کشمیر میں جو خونی واقعات رونما ہوئے وہ تاریخ کا ایک ایسا باب بن گئے جنہیں رہتی دُنیا تک یاد کیا جائے گا۔ یہ سانحہ دور رس نتائج کا حامل بھی ہے اور ایک عبرتناک واقعہ بھی۔ اس کے لیئے جہاں ڈوگرہ شاہی نے اپنا راج وتاج برقرار رکھنے کے لیئے ایک سو کے قریب افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا وہاں مسلم قیادت نے بھی عوام سے کی گئی غدّاری کا داغ مٹانے کے لیئے اکیاون آدمیوں کو ڈوگرہ فوج کے ہاتھوں قتل کروادیا۔ کُل ملا کر یہ سارا خون ڈوگرہ حکمرانوں کی گردن پر سوار ہوا اور اس کے لیئے نہ صرف ریاست میں زبردست اضطراب پیدا ہوگیا بلکہ ریاست سے باہر بھی ان واقعات نے لوگوں کو حیران و پریشان کر دیا۔ ان واقعات کی گونج نہ صرف برصغیر میں سنائی دی بلکہ کئی بیرونی ممالک بھی متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکے۔

ایک طرف برٹش سرکار کے اعلیٰ عہدیداروں نے ان خونی واقعات کے بارے میں مہاراجہ ہری سنگھ سے باز پُرس کی دوسری طرف برصغیر کے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں نے ان واقعات کے بارے میں سخت احتجاج اور واویلا کیا۔

مظلوم کشمیریوں کے لیے ڈوگرہ شاہی کے خلاف ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک آواز بلند ہونے لگی۔ کئی برگزیدہ اشخاص نے نہ صرف مظلوم کشمیریوں کے ساتھ زبانی ہمدردی جتائی بلکہ ان کی بھرپور مدد کرنے کی پیش کش بھی کی۔

ان برگزیدہ اشخاص میں مہاتما گاندھی، محمد علی جناح، جواہر لال نہرو، نواب زادہ لیاقت علی خاں، لالہ لاجپت رائے، مولانا ابوالکلام آزاد، سر محمد اقبال، خان عبدالغفار خاں، عبدالقیوم خاں،

نواب بھوپال حمیداللہ خاں، مرزا بشیرالدین، محمود احمد، سر سکندر حیات خاں، رئیس الاحرار، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، عبدالمجید سالک، محمد دین فوق، سر فضل حسین، سید حبیب ایڈیٹر سیاست، مولانا ظفر علی خاں، مولانا غلام رسول مہر، خواجہ حسن نظامی، آغا شورش کاشمیری، قاضی احسان احمد، شجاع آبادی، عبدالرحیم مہر، ذوالفقار علی خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور سید محسن شاہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ ریاست سے باہر بسنے والے اُن لوگوں، جن کی رگوں میں کشمیری خون دوڑ رہا تھا، انکی رگِ حمیت بھڑک اُٹھی۔

جو لوگ کشمیر کی ابتر حالت سے متاثر ہو کر بہت پہلے کشمیر چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ بھی یہاں کے ان خونی واقعات سے بے حد متاثر ہو کر اس سرزمین کے حالات کی طرف متوجہ ہوئے کئی برگزیدہ ہستیوں نے کشمیر کے حالات کے ساتھ وابستہ ہو کر بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

ہندو پریس جو ابتدا ہی سے ڈوگرہ رجواڑوں کی حمایت میں اپنا بھرپور حصّہ ادا کر رہا تھا ۱۹۳۱ء کے خونی واقعات نے مسلم پریس کو گویا جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ ڈوگرہ شاہی کے خلاف اپنی آواز بلند کرنے کے لیے سامنے آ گیا۔ "انقلاب"، "زمیندار"، "سیاست"، "الفضل"، اور "لائیٹ"، جو ابتدا سے ہی مظلوم کشمیریوں کی حمایت کر رہے تھے اب کھلم کھلا سامنے آ گئے جس کی پاداش میں ان اخبارات پر پابندی عائد کی گئی۔


سر محمد اقبال

۱۹۳۱ء کے ان خونی واقعات نے جہاں برّصغیر کو بے حد متاثر کیا وہاں پنجاب کے مسلمان کچھ زیادہ ہی اس سلسلے میں الجھ گئے۔ کشمیری مظلومین کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اور ان کی بھرپور مدد کرنے کے سلسلے میں علامہ اقبال نے "کشمیر کمیٹی" تشکیل دی البتہ اپنی مصروفیات کی بناء پر اس کمیٹی کی صدارت کے لیئے قادیانیوں کے امام مرزا بشیرالدین محمود احمد کو مقرر کیا۔

۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں "کشمیر کمیٹی" کا پہلا اجلاس سر ذوالفقار علی خاں آف مالیر کوٹلہ کی کوٹھی پر منعقد ہوا، اس میں مرزا بشیرالدین محمود احمد، شمس العلماء خواجہ حسن نظامی، سر

میاں فضل حسین، ڈاکٹر سر محمد اقبال، جناب نواب صاحب گنجپورہ خان بہادر شیخ رحیم بخش ریٹائرڈ سیشن جج، سید شاہ ایڈووکیٹ، مولوی محمد اسماعیل غزنوی، مولوی نورالحق مالک "مسلم آؤٹ لک" لاہور، سید حبیب صاحب ایڈیٹر "سیاست" لاہور شامل ہوئے۔

اس کمیٹی میں شرکت کے لیے کشمیر سے خصوصی طور پر سیّد مبارک شاہ اندرابی اور جموں سے جناب اللہ رکھا ساغر مدعو کیئے گئے تھے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے تجویز کیا کہ امام جماعتِ احمدیہ اس کمیٹی کے صدر ہوں کیونکہ ان کے کافی وسائل ہیں مخلص اور کام کرنے والے کارکن بھی ہیں، یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان سے بہتر اور کوئی آدمی نہیں ہے، خواجہ حسن نظامی نے ڈاکٹر اقبال کی اس تجویز کی تائید کی "کشمیر کمیٹی" کو بعد میں وسعت دے کر اس میں بعض اہم شخصیات کو شامل کیا گیا ان کی مکمل فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ مرزا بشیرالدین محمود	صدر	قادیان
۲۔ عبدالرحیم درد	سکریٹری	〃
۳۔ ایم محمد اسماعیل حاجی صاحب	ممبر	کلکتہ
۴۔ احمد عبدالستار صاحب دی آنریری سکریٹری کلکتہ مجلس	〃	〃
۵۔ حاجی سید سہروردی صاحب بار ایٹ لا	〃	〃
۶۔ مولانا ابوظفر وجیہ الدین صاحب	〃	〃
۷۔ محمد علی اللہ بخش صاحب سکریٹری مسلم فیڈریشن	〃	بمبئی
۸۔ مسٹر عبدالرشید ڈنسٹنکر	〃	〃
۹۔ مولانا ابو یوسف اصفہانی صاحب	〃	شمالی بمبئی
۱۰۔ قاضی کبیرالدین صاحب	〃	بمبئی
۱۱۔ ڈاکٹر شفاعت احمد خانصاحب	〃	الہ آباد
۱۲۔ میاں سید جعفر شاہ صاحب	〃	شاہ آباد
۱۳۔ جناب سیّد کشفی شاہ نظامی	〃	رنگون
۱۴۔ جناب مولانا حسرت موہانی	〃	کانپور

۱۵۔ سید عبدالحفیظ صاحب	ممبر	ڈھاکہ
۱۶۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد داؤدی	〃	ایبٹ آباد
۱۷۔ مولانا محمد شفیع داؤدی	〃	پٹنہ
۱۸۔ نواب ابراہیم علی خاں	〃	کرنال
۱۹۔ چوہدری عبدالمتین صاحب	〃	سلہٹ آسام
۲۰۔ جناب مشیر حسین قدوائی	〃	لکھنؤ
۲۱۔ سید غلام بیگ نیرنگ	〃	انبالہ
۲۲۔ مولانا سید حبیب اللہ	〃	لاہور
۲۳۔ مولوی نورالحق صاحب	〃	لاہور
۲۴۔ مولانا غلام رسول مہر صاحب	ممبر	لاہور
۲۵۔ سید محسن شاہ صاحب (سکریٹری آل انڈیا کشمیر کانفرنس)	〃	〃
۲۶۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال	〃	〃
۲۷۔ مولانا محمد یعقوب صاحب (ایڈیٹر 'لائٹ')	〃	〃
۲۸۔ خان بہادر شیخ رحیم بخش صاحب	〃	〃
۲۹۔ آنریبل نواب سر ذوالفقار علی خاں	〃	〃
۳۰۔ مولانا عبدالمجید سالک صاحب	〃	〃
۳۱۔ جناب محمد رفیق صاحب ایڈووکیٹ	〃	〃
۳۲۔ ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ	〃	〃
۳۳۔ حاجی شمس الدین صاحب	〃	〃
۳۴۔ میاں فیروزالدین (سکریٹری خلافت کمیٹی)	〃	〃
۳۵۔ میاں نظام الدین رئیس	〃	〃
۳۶۔ میاں فضل کریم صاحب	〃	〃
۳۷۔ ڈاکٹر عبدالحق	〃	〃
۳۸۔ سید عبدالقادر پروفیسر اسلامیہ کالج	〃	〃

۳۹۔ مولانا علیم الدین سالک	ممبر	لاہور
۴۰۔ جناب غلام مصطفیٰ ایڈووکیٹ	〃	〃
۴۱۔ جناب شیخ نیاز علی صاحب	〃	〃
۴۳۔ پیر اکبر علی ایم، ایل، سی۔	〃	فیروزپور
۴۴۔ چوہدری محمد شریف الدین صاحب	〃	منٹگمری
۴۵۔ مولانا مظہر الدین صاحب	〃	دہلی
۴۶۔ چوہدری محمد شفیع صاحب	〃	〃
۴۷۔ شمس العلما خواجہ حسن نظامی	〃	〃
۴۸۔ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون	〃	کراچی
۴۹۔ مولانا سید محمد اسماعیل غزنوی	〃	امرتسر
۵۰۔ شیخ محمد صادق صاحب ایم، ایل، اے	〃	〃
۵۱۔ مولانا عقیل الرحمان ندوی	〃	سہارنپور
۵۲۔ مولانا جلال الدین شمس	〃	قادیان
۵۳۔ مولانا عصمت اللہ صاحب	〃	سیالکوٹ
۵۴۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ	〃	لاہور
۵۵۔ جناب غلام مصطفیٰ بار ایٹ لاء	〃	گجرانوالہ
۵۶۔ جناب ایم حسام الدین آنریری مجسٹریٹ	〃	امرتسر
۵۷۔ مولانا کرم علی صاحب	〃	لکھنؤ
۵۸۔ مولانا سید مبارک شاہ اندرابی کشمیری	〃	کرنال
۵۹۔ شیخ صادق حسین ایم، ایل، اے	〃	لکھنؤ
۶۰۔ شیخ فضل الحق صاحب	〃	بھیرہ
۶۱۔ سید ذاکر علی شاہ صاحب	〃	لکھنؤ
۶۲۔ مولانا مولوی عبدالمجید صاحب	〃	دیوبند
۶۳۔ چوہدری اسداللہ خاں صاحب	〃	لاہور
۶۴۔ شاہ مسعود احمد ایم، ایل، اے	〃	〃

۶۵۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ ممبر قادیان
۶۶۔ ایس۔ ایم۔ عبداللہ نائب صدر میونسپلٹی ″ دہلی

"کشمیر کمیٹی" میں ان برگزیدہ اشخاص کے ساتھ ساتھ مجلسِ احرار نے مظلوم کشمیریوں کی مالی اور جانی مدد کرنے کا اعلان کیا۔

آل انڈیا مجلس احرار کی بنیاد چند سرکردہ عالم رہنماؤں نے ہندوستان میں کانگریس کے ساتھ اختلافات کی بنا پر ڈالی تھی۔ یہ انجمن مسلم لیگ کی سیاست سے بھی الگ ایک جماعت تھی۔ اس مجلس کے سرکردہ اراکین رئیس الاحرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری (کشمیری) مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی، چوہدری افضل حق، مولانا داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر اور شیخ حسام الدین قابلِ ذکر ہیں۔

کشمیر کے مسلمان رہنماؤں کی طرف سے ۲۱ جولائی ۱۹۳۱ء کو شہدائے کشمیر کے خونی کپڑے "کشمیر کمیٹی" کو بھیجے گئے تھے۔ تاکہ وہ بیرون ریاست ان کی نمائش کرا کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی توجہ کشمیری مظلومین کی حالت کی طرف مبذول کرائیں، سیالکوٹ میں جب ان خونی کپڑوں کو اجتماع کے سامنے لہرایا گیا تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اسی وقت ڈوگرہ راج سے اس خونِ ناحق کا بدلہ لینے کی قسم کھائی اور احراری جتھہ کشمیر روانہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، البتہ احراری جتھہ کشمیر روانہ کرنے سے قبل انھوں نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے ایک نمائندہ وفد یہاں بھیج دیا۔

شیخ عبداللہ جیل سے رہا ہوئے تو انہیں احراری نمائندوں کے آنے کی اطلاع مل گئی، وہ سخت ناراض ہو گئے اور انھوں نے فوری طور پر احمدی فرقہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود کو ایک تار بھیجا۔

SECRETARY KASHMIR COMMITTEE
QADIYAN

8-SEPT 1931- AHRAR DEPUTATION.
ARRIVED HERE STAYING AS STATE
GUESTS SHOULD WE CO-OPERATE.
YOUR DEPUTATION BADLY NEEDED
ABDULLAH

(احراری وفد یہاں پہنچ گیا ہے اور سرکاری مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا ہوا ہے کیا ہم اس سے تعاون کریں۔ آپ کے وفد کی اشد ضرورت ہے۔ عبداللہ)

اس تار کے بعد مرزا بشیر الدین محمود نے یہاں اپنا وفد بھیجنے کے بجائے یہاں سے مسلم رہنماؤں کا ایک وفد طلب کیا۔ سات افراد پر مشتمل وفد نے قادیان جا کر مرزا صاحب سے ملاقات کی لیکن اس وفد میں شیخ عبداللہ کی غیر موجودگی شدت سے محسوس کی گئی، اس لیئے وفد کے ساتھ حتمی بات چیت نہیں ہو سکی۔

مرزا بشیر محمود دراصل شیخ عبداللہ سے ملنا چاہتے تھے کیونکہ لاہور میں قیام کے دوران شیخ محمد عبداللہ مرزائی عقیدے کے ساتھ وابستہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ وفد کے ارکان کے ساتھ رسمی بات چیت کے بعد انہیں رخصت کیا گیا، اور شیخ عبداللہ کو لانے کے لیے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سکریٹری عبدالرحیم درد کو بھیجا گیا۔

ملاقات کا انتظام گڑھی حبیب اللہ جو سرحد کشمیر پر واقع ہے رکھا گیا۔ ان دنوں یہ کشمیر کی سرحد سے باہر کا علاقہ برطانوی ہندوستان میں تھا۔ آج کل یہ گڑھی پاکستان میں ہے۔

چونکہ قید سے رہائی کے بعد شیخ عبداللہ کو سرحد کے پار لے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ شیخ عبداللہ کو چھپا کر لایا جائے۔ ریاست کشمیر کے کسٹم پر پہنچ کر درد صاحب نے شیخ عبداللہ کو موٹر کے بیچ میں دو نرالو ہو کر لٹا دیا اور ان کے اوپر کپڑے ڈال دیئے گئے تاکہ اسٹیٹ آفیسران کو دیکھ نہ لیں۔ اس طرح کپڑوں کی گٹھری بنا کر شیخ عبداللہ کو گڑھی حبیب اللہ کے ڈاک بنگلے میں پہنچا دیا گیا۔

یہاں مرزائی مسلک کے بانی کے پوتے مرزا بشیر الدین محمود کے ساتھ ان کی ملاقات کرائی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ صاحب نے کہا اگر موٹر نہ ہوتی تو میں یہاں نہیں پہنچ سکتا موٹر ایک بڑی کارآمد چیز ہے۔ اس پر مرزا صاحب نے ان سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو ایک موٹر لا کر دوں گا"۔

یہاں ان دونوں کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ طے ہوا شیخ عبداللہ کو کشمیر کا مسلّمہ لیڈر بنانے کا وعدہ کیا گیا کشمیر تحریک کا سارا خرچہ برداشت کرنے کا ذمہ لیا گیا اور اس کے بدلے میں کشمیر میں انھیں اسٹیج فراہم کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔

بات چیت مکمل ہونے کے بعد عبدالرحیم درد شیخ صاحب کو واپس کشمیر لے آئے، ان کی واپسی پر گورنمنٹ کو اس راز کا پتہ چلا چنانچہ جیون لال پرسنل اسسٹنٹ پرائم منسٹر نے مرزا محمود کو شکایت

بھرا ایک خط لکھا جس کا مقصد و مدعا یہ تھا:

"کسی قدر ہمیں یہ تسلی بھی تھی کہ صدر صاحب خود ریاست کی سرحد پر آکر اپنے نمائندگان سے مل گئے اور تمام حالات معلوم کر گئے ہیں۔"

دراصل شیخ عبداللہ کی نقل و حرکت سے حکومت واقف تھی ان کا خیال تھا شاید شیخ عبداللہ جیل کی تنہائی سے اُکتا کر ریاست سے ہمیشہ کے لیئے بھاگ گئے ہیں اور انھوں نے خس کم جہاں پاک کے مصداق انھیں جانے دیا تھا لیکن ان کی واپسی پر حکومت کو پریشانی لاحق ہو گئی، اور انھوں نے کشمیر کمیٹی کے صدر سے اس کی شکایت کی کشمیر کمیٹی کے صدر نے اس معاہدے کے بارے میں فرمایا ہے:-

"میں نے اپنے نفس سے اقرار کیا ہے۔ اور طریق بھی یہی ہے کہ مومن جب کوئی کام شروع کرے تو اُسے ادھورا نہ چھوڑے میں نے کشمیر کے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک کامیابی حاصل نہ ہو جائے خواہ سو سال لگیں ہماری جماعت ان کی مدد کرتی رہے گی، پس ہماری جماعت کو کشمیر کی امداد جاری رکھنی چاہیے جب تک کہ ان کو حقوق حاصل نہ ہو جائیں خواہ اس کے لیے کتنا عرصہ لگے اور خواہ مالی اور خواہ کسی وقت جانی قربانی بھی کرنی پڑے ہم نے یہ کام مظلوم کشمیریوں کے لیئے شروع کیا ہے مگر بعض لوگوں نے اس میں کامیابی دیکھ کر یہ کہنا شروع کیا ہے کہ ہم نے تبلیغ احمدیت کے لیئے یہ کام شروع کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ہماری محبت ڈالے تو ہم خدا تعالیٰ کے اس انعام سے انکار نہیں کر سکتے مگر ہم اسے تبلیغ احمدیت کا آلہ نہیں بنا سکتے اس کام کو چونکہ ہماری جماعت نے ابتغاءً لوجہ اللہ، شروع کیا ہے تاکہ ایک مظلوم قوم آزاد ہو۔"

اس دلیل کے باوجود بھی کشمیر کی تحریک حریت میں مرزائیت کا پرچار جاری رہا، شیر کشمیر شیخ محمد اللہ" نامی کتاب کے مصنف کلیم اختر لکھتے ہیں:-

"کشمیر کمیٹی کی وساطت سے قادیانیوں نے کشمیری سیاست میں جو سرگرم حصہ لیا بعض وجوہات کی بنا پر جس میں علامہ اقبالؒ کی دور اندیشی اور احرار کی بروقت تحریک کا بھی دخل تھا قادیانی اس کمیٹی سے پوری طرح وہ فوائد حاصل نہ کر سکے جو اُن کو پیش نظر تھے لیکن ان کی کوشش رائیگاں بھی نہیں گئی تحریک میں حصہ لینے سے قادیانیوں نے کشمیری رہنماؤں سے براہ راست روابط قائم کر لیئے اور مالی امداد دے کر انھیں اپنا

ممنونِ احسان بنا لیا۔ ایسی صورت حال میں اُن کے لیئے ریاست میں تبلیغ کرنا آسان ہو گیا ریاست کشمیر میں قادیانیوں کی دعوت ۱۹۳۱ء کے بعد ہی پھیلنا شروع ہوئی۔"

شیخ محمد عبداللہ کے مرزائیوں کے دائرے میں آنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے "آزادیٔ برصغیر" کے مصنف نے لکھا ہے:

"شیخ محمد عبداللہ علی گڑھ کالج میں زیر تعلیم تھے کہ کالج کے اندر یوپی اور پنجابی طلباء کے باہم تنازعہ ہو گیا، اس ہنگامے میں شیخ عبداللہ پنجابی طلباء کی حمایت میں تھے اور اس تمام جھگڑے کی ذمہ داری ان پر آپڑی، قریب تھا کہ اس جرم کی پاداش میں انھیں کالج سے نکالدیا جاتا کشمیر کے انسپکٹر آف اسکولس خواجہ جمال الدین (لاہوری مرزائی) کی سفارش پر ان کا گناہ معاف کیا گیا اس احسان کے بدلے میں شیخ عبداللہ مرزائیوں کے ہتھے چڑھ گئے اور پھر ۱۹۳۸ء تک مرزائیوں نے ان سے جو کام لیا وہ تاریخ کشمیر میں آئینے کی طرح دکھائی دے رہا ہے۔"

"مسئلہ کشمیر" کے مصنف ممتاز احمد نے "منیر رپورٹ" کا حوالہ دے کر لکھا ہے:-

"کشمیر کمیٹی نے اپنے قیام کے وقت جو مقاصد اپنے لیئے مقرر کیے تھے اس میں آئینی ذرائع سے کشمیری مسلمانوں کو اُن کے جائز اور واجبی حقوق دلانا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے کشمیر کے مسلمانوں کی قانونی امداد کرنا بھی شامل تھے کشمیر کمیٹی کے بارے میں اب تک جو تفصیلات سامنے آچکی ہیں اور جو حقائق و شواہد بعد میں رونما ہونے والے واقعات و حالات کی روشنی میں واضح ہوئے ان کے پیش نظر یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ "کشمیر کمیٹی" کا قیام قادیانیوں کے اپنے مخصوص مقاصد و مفادات کے حصول کے لیئے عمل میں لایا گیا تھا۔"

کشمیر تحریکِ حریت پر قادیانیت کے غلبہ کو دیکھ کر بعض مسلم رہنما شیخ عبداللہ سے ناراض ہونے لگے اور اندر ہی اندر مخالفت کا لاوا پکنے لگا۔ مرزائیوں کے ساتھ ساتھ احراری مسلم رہنماؤں کی مالی امداد کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اور ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی وہ مسلم رہنماؤں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے آزما رہے ہیں۔



تحریکِ حُرّیت کے جانباز سپاہی

(۱) مستری یعقوب علی (۲) قریشی محمد یوسف (۳) غلام احمد جوئیلر
(۴) میاں احمد یار خاں (۵) عبدالسّلام دلّال (۶) نذیر احمد خاں
(۷) غلام محی الدین ہمدانی (۸) بخشی غلام محمد (۹) غلام محی الدین رہبر

کارواں محبت کا منزل اپنی کیا پاتا
جتنے رہبر آئے سب مالِ غنیمت لوٹنے آئے

کشمیر کی تحریکِ حُرّیت پر مالِ غنیمت کا اثر

احمدیت کی طرفداری کا الزام شیخ عبداللہ پر کُھلّم کُھلا لگا۔ ان پر مرزائیت کی تبلیغ کے لیے اپنا پلیٹ فارم استعمال کرنے کا بھی الزام لگا۔ تنظیم میں انتشار پھیل گیا۔ مولوی محمّد یوسف شاہ اور مولوی یحییٰ شاہ نے شیخ عبداللہ کو آڑے ہاتھوں لیا۔

اُدھر پنجاب میں کشمیر کے مسلم رہنماؤں پر مرزائیوں اور احراریوں سے حاصل کی گئی۔ مالی امداد ہڑپ کرنے کا الزام لگایا جانے لگا۔

کشمیر تحریک پر احمدی فرقہ کا لیبل لگنے کی وجہ سے مسلم اتّحاد دو پارہ ہونے لگا تو بعض افراد نے اسکی کُھلّم کُھلا مخالفت کی، تقریروں کے ذریعے ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہوئے جب حالات خراب ہونے لگے تو تحریک کو بیرونی اثرات سے پاک وصاف کرنے پر بھی غور وخوض ہوا اور بعض رہنماؤں نے شیخ عبداللہ کے ساتھ مولوی یوسف شاہ کو اُن اثرات کے دائرے سے نکل آنے کو کہا۔

مرزائیوں کو شیخ عبداللہ پر پورا بھروسہ تھا اور اُن کے ساتھ ان کا ایک معاہدہ ہوا تھا۔ احراریوں کو اس بات کا فخر حاصل تھا کہ ہم نے کشمیر تحریک کے لیے نہ صرف نقد وجنس کی امداد دی بلکہ سیکڑوں قیمتی جانیں بھی نچھاور کیں، اس لحاظ سے مجلسِ احرار کے رہنماؤں کو پورا بھروسہ تھا کشمیر کا مسلم اتحاد انہیں اپنے ساتھ رکھے گا، ان کی رائے کا احترام کرے گا۔ لیکن اس کے باوجود بھی غلام احمد عشائی اور شیخ عبداللہ کی بے رُخی سے وہ بے دل ہوگئے۔ شیخ صاحب اور عشائی صاحب کی اس بے رُخی سے مولوی گروپ ناراض ہوگیا اور اس کے بدلے میں انھوں نے مرزائیت کی مخالفت کا بیڑا اُٹھایا۔

شیخ محمد عبداللہ کی بے رُخی کو دیکھ کر احراریوں نے امدادی ہاتھ کھینچ لیا۔ ان کا خیال تھا کشمیر کے مسلم رہنما امداد کے لیے مجبور ہوکر ان کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ لیکن احمدیوں نے اپنے حمایتی مسلم

رہنماؤں کے لیے امدادی رقومات کا دروازہ کھلا رکھا۔ احمدی لاہوری کی دیکھا دیکھی احراری، احمدیوں کو اور احمدی، احراریوں کو پچھاڑ رہے تھے کہ احراریوں نے امدادی رقومات بھیجنے سے ہاتھ روک دیا۔

مولوی یوسف شاہ کی طرف سے مرزائیوں اور شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے احراریوں کی مخالفت دراصل نظریاتی اختلاف کے سبب نہیں بلکہ ایک دوسرے کی مالی امداد جس پر یہ اصحاب اپنا حق جتا کر اس پر ہاتھ صاف کر رہے تھے مخالفت کا باعث بن گیا۔ بعض مسلم رہنما جو بیرونی امداد کو مالِ غنیمت سمجھ کر اس پر اپنا حق جتاتے تھے، انھوں نے احراریوں سے بذریعہ خط یا بذریعہ تار روپے بھجوانے کا کوڈ ورڈ "مسلم" رکھا تھا اور احمدیوں سے روپے بھجوانے کا کوڈ ورڈ "قاضی" رکھ دیا گیا تھا۔

احراریوں سے مسلم بھیجنے اور مرزائیوں سے قاضی بھیجنے کی جب مسلسل کئی تار یہاں سے روانہ ہوئے تو احراریوں نے اسے کھلم کھلا لوٹ کہہ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ وہاں رقومات بھیجنے کے بجائے ہم خود وہاں جا کر مستحق افراد میں تقسیم کریں گے، چنانچہ انھوں نے محمد دین تاثیر کے ذریعے شیخ عبداللہ کو مطلع کیا کہ آئندہ احراری رہنما خود یہاں مستحق افراد میں چندے کی رقومات تقسیم کریں گے۔

چوہدری افضل حق جو احراریوں کی طرف سے چندہ کا خزانچی تھے، ان کے پاس اس وقت چندے کی جو بھی رقم تھی وہ بھی محمد دین تاثیر کے ہاتھ روانہ کر دی گئی۔

تاثیر نے یہ ساری رقم شیخ عبداللہ کے حوالے کر کے جب انہیں بتا دیا کہ احراری یہ سلسلہ بند کر رہے ہیں تو شیخ صاحب نے سخت برا مانا اور اس فیصلہ کو ایک غلط فیصلہ قرار دیا۔

احراری لیڈر تاج الدین انصاری کا بیان جو "الصباح" میں چھپ چکا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ احراریوں کی طرف سے امدادی رقومات ۱۹۴۲ء تک برابر شیخ عبداللہ کو بھیجی گئیں۔

محمد دین تاثیر کے مشورے پر شیخ عبداللہ نے احراری لیڈروں کو منانے کے لیے خود لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کی اطلاع احراری لیڈروں کو مل گئی تو انھوں نے لاہور آ کر شیخ عبداللہ کا شایانِ شان استقبال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

شیخ صاحب عدم الفرصت ہونے کی وجہ سے لاہور جانے کی تاریخ مقرر نہ کر سکے۔ آخر وہ [illegible] سے روانہ ہو ہی گئے۔ گجرانوالہ میں انکی ملاقات مرزائی لیڈر شیخ عبدالحمید سے ہوئی، انھوں نے شیخ عبداللہ کو احراریوں کے پاس جانے سے روکا اور ان کی تمام ضروریات پوری کرنے کا وعدہ کر کے انھیں واپس کر دیا۔

شیخ عبدالحمید کی ڈانٹ کے مطابق انھوں نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۲ء تک برابر مرزائیوں سے امدادی

رقم حاصل کر کے شیخ عبداللہ کو لوٹا دی۔

"احراریوں کے "مسلم" اور مرزائیوں کے "قاضی" نے ان دونوں جماعتوں کو سخت پریشان کر دیا تو اس سلسلے میں مرزا بشیر الدین محمود نے عبدالرحیم درد اور مولانا سید محمد اسماعیل غزنوی کو جو خط لکھا وہ بمطابق اصل یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مکتوب (۱)

"الفیض لاہور

۲۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء

مکرمی درد و غزنوی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ لوگوں کے کام سے نہایت خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے، میں نے کل تار دیا تھا جواب بھی مل گیا۔ بدھ تک کام بند کر دیں، اس عرصے میں احرار نے اعلان کیا ہے کہ جیون لال کا تار آیا ہے کہ میں آپ لوگوں سے ملنے آ رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام دوطرفہ چال چل رہے ہیں۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے کہ معاملہ صاف کریں، واللہ اعلم کیا بات ہے .... لیکن جیون لال صاحب کے تار نے شبہ میں ڈال دیا ہے اس لیے آپ لوگ بھی ہوشیار رہیں۔

گلینسی صاحب کے متعلق الگ ہدایات میں ذکر کروں گا، نہایت مخفی بات ہے۔ احرار باہر سے یہ بات مشہور کر رہے ہیں کہ قادیانی پروپیگنڈے کی وجہ سے ہمیں آنا پڑا۔

لیڈروں نے روپیہ کھا لیا ہے اور مصنوعی تار پر نادِ دلوا رہے ہیں، نمائندوں پر ہمیں اعتبار نہیں۔

آپ لوگ اس سے بھی ہوشیار رہیں۔

خاکسار: مرزا محمود احمد"

کشمیر کمیٹی کے صدر کو اپنی جماعت کے دو اہم اراکین کو یہ خط لکھنے کی نوبت اس لیے آن پڑی، کیونکہ یہ کمیٹی ہزار ہا روپے کی مقروض ہو گئی۔ ماہ جنوری ۱۹۳۲ء کو اس کمیٹی نے جو اعداد و شمار شایع کیے اس میں ہزار بارہ سو روپے کا اضافہ ہو گیا تھا، جبکہ ابتدا میں انھوں نے صرف پانچ ہزار ماہانہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

گجرانوالہ سے شیخ عبداللہ کی واپسی نے احراریوں کو سخت مایوس کیا لیکن وہ مالی اور جانی قربانیوں

کو مدِ نظر رکھ کر راہِ فرار کے لئے تیار نہیں ہوئے، انھوں نے کشمیریوں کو مرزائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا، انھوں نے اس سلسلے میں ایک بیان جاری کیا۔

"کشمیر میں شیخ عبداللہ کے بغیر آزادی کی تحریک چل نہیں سکتی۔ ہمارے دلوں میں شیخ صاحب کی عزّت و محبّت موجود ہے ہم انھیں شیرِ کشمیر سمجھتے ہیں وہ واقعی بہادر انسان ہیں مگر ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ٹھوکر نہ کھائیں، کشمیر تحریک کے لیے ان کی ذات بہت اہم ہے کشمیر کی تقدیر قدرت نے ان کی شخصیت کے ساتھ وابستہ کر دی ہے۔ خدانخواستہ اگر وہ بھٹک گئے تو تحریک دم توڑ دے گی۔ اگر وہ ڈوب گئے تو یہ قوم ڈوب جائے گی۔ اگر وہ غلط راستے پر چلے تو اس قوم کو کبھی صحیح راستہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ چونکہ شیخ عبداللہ کے بغیر کشمیر کی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی، اس لیے مسلم رہنما مل کر کوشش کریں کہ وہ دوغلی پالیسی کو چھوڑ کر تحریک کے لیے یکسوئی سے کام کریں۔"

احراری لیڈروں کے اِس بیان کے ساتھ مسلم رہنماؤں نے اتفاق کیا، شیخ عبداللہ پر احمدیت کی طرفداری کا الزام لگایا گیا۔

شیخ عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کے درمیان پچھلے ایک مدّت سے تناؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ اور دونوں حضرات ایک دوسرے سے سیدھے مُنہ بات بھی نہیں کرتے تھے۔ اب کُھلے بندوں ایک دوسرے پر رقومات ہڑپ کرنے کا الزام لگانے لگے۔

شیخ عبداللہ کو مرزائی کہا گیا تو انھوں نے نورشاہ نقشبندی، سعدالدین شال اور شیخ محمد صادق کی موجودگی میں میاں امیرالدین کے ہاں اعلان کیا کہ مجھے احمدی قادیانی اور احمدی لاہوری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان کے اس اعلان سے مرزائی سخت برہم ہو گئے اور انھوں نے شیخ عبداللہ پر عہد شکنی کا الزام لگایا۔ ابھی یہ برہمی برقرار تھی اور احراری اس فتح پر نازاں تھے کہ شیخ صاحب کو کرنل کالون نے اپنے پاس بُلایا، کرنل کالون سے ملاقات کے بعد انھوں نے ایک اور بیان دیا۔

"کشمیر تحریک کے معاملات مہاراجہ اور اس کی رعایا کے درمیان ہیں۔ بیرونی عناصر کو اس میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے، چونکہ یہ معاملہ ہمارا اپنا اندرونی معاملہ ہے، اس لیے اس میں بیرونی مداخلت نہیں ہونی چاہیئے۔"

اِس بیان نے مرزائیوں کے ساتھ اب احراریوں، مسلم لیگیوں اور کانگریسیوں کو بھی سخت مایوس کر دیا۔

مسلم کشمیریوں کے لیے احراریوں اور مرزائیوں کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ اور کانگریس بھی مالی امداد دے رہی تھی لیکن یہ دونوں جماعتیں براہ راست تحریک کے ساتھ وابستہ نہیں تھیں، البتہ شیخ عبداللہ کے اس بیان سے سب کی سب جماعتیں ایک ہی صف میں کھڑا کر کے تحریک سے علیحدہ کر دی گئیں۔ اگرچہ انھوں نے مرزائیوں کی بھی مخالفت کی لیکن اندرونی طور وہ ان کے ساتھ رہے اس کا ثبوت شیخ صاحب کا اس خط سے ملتا ہے جو انھوں نے مرزا بشیرالدین محمود کو بھیجا تھا۔

"۔ سرینگر

۳۱ مئی ۱۹۳۳ء

محترم میاں صاحب! ۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل شام کو میری گرفتاری کے احکام نکلے ہوئے ہیں۔ لیکن رات کو میں گرفتار نہ ہو سکا۔ کیونکہ میں گھر پر نہ تھا یہ سب کچھ مہتہ کرتار سنگھ اور ..... کی مہربانی ہے... لہٰذا میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ آپ خدارا ایک بار پھر کشمیریوں کو بچایئے اور اپنے کارکن روانہ کریں ..... وائسرائے پر دباؤ ڈال دیجئے گا بہرحال آپ سب کچھ جانتے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ ایک وفادار دوست کو امداد کے بغیر ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔

فقط آپ کا

شیخ محمد عبداللہ "

(نقل مطابق اصل تحریک احمدیہ حصہ دوئم)

شیخ محمد عبداللہ کی اس دورُخی پالیسی اور اس چالبازی کی شہ مجلس احرار کو مل گئی تو وہ کافی دنوں تک صبر کے گھونٹ پیتے رہے چنانچہ جب قادیانی کشمیر تحریک پر اس دورخی پالیسی کے سبب حاوی ہونے لگے۔ تو مجلس احرار کا ایک تین رکنی وفد سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری فضل حق اور مولانا داؤد غزنوی علامہ اقبال کے پاس گئے اور ان سے کہا۔

"کیا آپ نے بھی قادیانی قیادت قبول کر لی ہے۔ اگر آپ کی دیکھا دیکھی کشمیر کے بتّیس لاکھ مسلمان قادیانی ہو گئے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ مُجرم ہوں گے، نیز قادیانی دوسرے اسلامی مسلمانوں پر بھی گمراہ کن اثر کریں گے، لہٰذا آپ ان سے علیحدگی کا اعلان کریں۔"

جس پر اسی وقت فیصلہ ہوا، اگلے روز کشمیر کمیٹی کا اجلاس بلایا جائے گا۔ اور مرزا بشیرالدین محمود کو اسی روز ہی سے علیحدہ کیا جائے گا۔

اگلے روز لاہور کے برکت علی ہال میں کشمیر کمیٹی کا اجلاس بُلایا گیا جس میں چودھری فضل حق مولانا مظہر علی اظہر اور مولانا داؤد غزنوی بغیر کسی دعوت کے جا کر شریک ہو گئے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال نے میٹنگ کے آغاز پر ہی مرزا بشیر الدین محمود کو کشمیر کمیٹی سے الگ کر کے اس کی صدارت خود سنبھالی۔ اس موقع پر انھوں نے فرمایا:

"قادیانی اپنے مذہبی پیشوا کے علاوہ کسی شخص یا جماعت کی وفاداری نہیں کر سکتے اس کی وجہ سے کام کرنے میں رکاوٹ آتی ہے۔"

۱۳ اگست ۱۹۳۱ء کو علامہ اقبال کو خود بھی اس کی صدارت سے علیحدہ ہونا پڑا کیونکہ مولانا سید محمد انور کشمیری نے ان کے ساتھ ناراضگی کا برتاؤ کیا۔

علامہ سید انور کشمیری ایک بلند پایہ کے عالم تھے۔ بظاہر وہ برصغیر میں ایک اعلیٰ مذہبی یونیورسٹی (مدرسہ دیوبند) کے پرنسپل تھے۔ لیکن ان کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، ان کے بارے میں کہا جاتا تھا سید انور شاہ کشمیری کے سینے میں علم کی ہزاروں کتابیں نہیں بلکہ الماریاں پوشیدہ تھیں۔

علامہ اقبال ان کے پرستار تھے۔ حضرت سید انور شاہ جب لاہور پہنچے تو ڈاکٹر اقبال کو حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع ملی انھوں نے علامہ کشمیری کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا، لیکن حضرت سید انور کشمیری نے یہ کہہ کر دعوت رد کر دی کہ:

"آپ نے مرزائیوں کی خود ساختہ کمیٹی کی صدارت قبول کر کے اپنا اسلامی عقیدہ مشکوک کر لیا ہے۔ لہٰذا آپ جب تک اسے درست نہیں کرتے ہیں آپ کے ہاں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

اس پر ڈاکٹر اقبال کشمیر کمیٹی کی صدارت سے علیحدہ ہو گئے اس علیحدگی کے بارے میں دو سال بعد انھوں نے فرمایا:

"میرے دل میں کشمیر کمیٹی کے متعلق اسی وقت خطرات پیدا ہو گئے تھے لہٰذا کشمیر کمیٹی جو ایک مخصوص مذہبی فرقہ کی جماعت ہے اس جماعت سے میرا واسطہ درست نہیں۔"

(روزنامہ انقلاب ۲۳ جون ۱۹۳۳ء)

علامہ اقبال جون ۱۹۳۳ء تک "کشمیر کمیٹی" کو چلاتے رہے۔ اس کمیٹی سے مستعفی ہونے کے بعد بھی وہ اس کے وجود اور بقا کے لیے کام کرتے رہے۔

چنانچہ ۲ جولائی ۱۹۳۳ء کو انھوں نے لاہور میں ایک پبلک جلسہ کا انعقاد کیا۔ اجتماع میں

تحریک کشمیر کی مکمل حمایت کا اعلان کیا گیا۔

۳ ستمبر کو لورینگ ہوٹل لاہور میں مرزا بشیر الدین محمود سابقہ صدر کشمیر کمیٹی کی صدارت میں ایک خصوصی اجلاس بلایا گیا جس میں یہ تجویز کی گئی کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال اور خان بہادر حاجی رحیم بخش کو علی الترتیب (قدیم) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت اور سکریٹری شپ کے عہدے پیش کیے جائیں اور نئے عہداروں کے تقرر کا آخری فیصلہ ہونے تک مرزا بشیر الدین محمود اور چوہدری غلام مصطفیٰ بیرسٹر گوجرانوالہ پر مشتمل ایک سب کمیٹی مقرر کر دی جائے، چونکہ سر محمد اقبال اور خان بہادر رحیم بخش صاحب نے قدیم کشمیر کمیٹی میں شرکت سے صاف انکار کر دیا، اس لیے فیصلہ ہوا کہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۴ء کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس لاہور میں منعقد کیا جائے اور ممبران سے استصواب کیا جائے کہ کشمیر کمیٹی جن اصولوں پر پہلے کام کرتی رہی ہے، انہی اصولوں پر دوبارہ کام کرنا ان کے لیے مفید ہو گا یا نہیں؟

چونکہ یہ رائے قادیانی مرزائیوں کی تھی لہٰذا شیخ عبداللہ نے فوری طور پر حق ادائیگی کے طور پر اس سلسلے میں مرزا صاحب کو خط لکھا:

"بوچھوارہ

S.M. ABDULLAH

M.S.C. (ALIG)

۱۹ ستمبر ۱۹۳۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محترم میاں صاحب —! دام اقبالہم!

السلام علیکم!

قبل بھی ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں اب پھر التماس ہے کہ میری رائے ناقص میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کام برابر جاری رکھا جائے اور جو کمیٹی پہلے بنی تھی وہ برابر کام کرے، یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اس کی ہر سیاسی جماعت کی خود غرضی باہمی اتفاق کو نقصان پہنچا کر ساری قوم کو نقصان پہنچانے کے لیے اور نیز اس انجمن کو ختم کر دینے کے لیے اسباب پیدا کر دیتی ہے۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو ضرور کام کرنا چاہیے آپ کی سربراہی میں بابت انتخاب عہدیداران میری رائے... مسٹر غلام رسول مہر کو سکریٹری مقرر کیا جائے اور صدارت کے لیے مہر صاحب کی جو

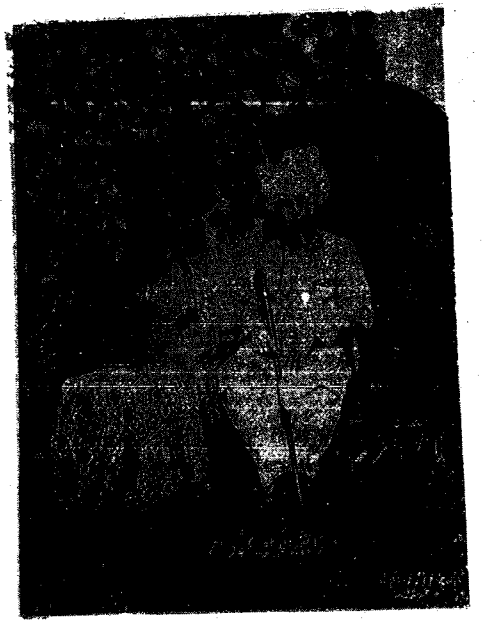
رائے ہوگی وہی میری رائے سمجھی جائے۔
مجھے افسوس ہے کہ میرے مشاغل قطعی مانع ہیں کہ جلسہ میں شرکت کرسکوں۔

آپ کا تابعدار
شیخ محمد عبداللہ "

(روزنامہ "انقلاب" لاہور)

اپنے اس خط کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ "کشمیر کمیٹی" کو حسب سابقہ کام کرنے کا مشورہ دے رہا ہے حالانکہ وزیر اعظم مسٹر کالون سے مل کر انھوں نے ہی بیرونی عناصر کو کشمیر تحریک میں مداخلت سے باز رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ ان کے اس مشورے سے تحریک کو جو دھچکہ لگا اس کا ڈوگرہ حکمرانوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور شیخ عبداللہ کے ذریعے بیرونی عناصر کو خبردار کرنے کا جو اُن کا مقصد تھا، وہ کسی حد تک پورا ہو چکا۔

کشمیر کمیٹی کے صدر



احمدی مسلک کے بانی اور امام مرزا غلام احمد کے پوتے مرزا بشیر الدین محمود جنہوں نے تحریکِ حریت میں ریاستی عوام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔



تحریکِ حُرّیت کے جاں باز سپاہی

(۱) کے ، ایچ ، خورشید (۲) سردار ابراہیم خان (۳) عبدالقیوم خان
(۴) چوہدری حمیداللہ (۵) منشی نصیرالدین (۶) مولانا مسعودی
(۷) احمداللہ باغبانی (۸) صوفی محمد اکبر (۹) مولانا عبداللہ شوپیانی

تیری محفل کی خاطر ربط ہر محفل سے توڑا تھا
یہاں سے اُٹھ کے اب جائیں تو ہم جائیں کدھر جائیں

کشمیری رہنما پر مرزائیت کا لیبل

مرزائیوں کے ساتھ بڑھتے ہوئے راہ و رسم کھلے بندوں اور پوشیدہ طور اُن کی اعانت اور مدد قبول کر کے شیخ محمد عبداللہ پر مرزائیت کا لیبل لگ گیا اور انھیں مرزائی بھی کہا جانے لگا اس بارے میں "انقلاب کشمیر" کے مصنف کا کہنا ہے :۔

"قادیانیوں سے شیخ عبداللہ کا بڑا ربط و ضبط تھا اور لوگوں میں یہ افواہ گرم تھی کہ شیخ محمد عبداللہ خود بھی قادیانی ہیں مگر یہ افواہ غلط تھی البتہ شیخ صاحب نے قادیانیوں سے روپے کی کافی امداد حاصل کی۔"

شیخ عبداللہ کی مرزائیت کی طرفداری کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ مرزا بشیرالدین محمود نے اُن سے موٹر دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ ہنوز ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ کئی بار انھوں نے اس کا تقاضا بھی کیا در اصل مرزا صاحب انھیں موٹر بھیجنے کے بجائے اس کے لیے روپے فراہم کرنا چاہتے تھے تاکہ موٹر بھیج کر بات کا بتنگڑ نہ بن جائے۔

"شیخ عبداللہ کی اس احمدی نوازی کے متعلق "آزادی برصغیر" کی جلد اوّل میں شیخ عبداللہ اور مرزائیت کے عنوان سے جو مراسلہ چھپا ہے اس کو یہاں من و عن درج کیا جا رہا ہے :۔

" قوموں کے عروج و زوال کی داستان میں شخصی کردار ہمیشہ نمایاں رہا ہے اگر اس کے دامن پر خلوص کا پیوند فرضی یا مصنوعی ثابت ہو جائے تو ساری داستان حقیقت سے ماورا ہو کر رہ جاتی ہے۔

سورج چاہے مقررہ وقت کے بعد طلوع ہو مگر اس کی روشنی پر شبہ کرنا اپنی آنکھوں پر شبہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے اسی طرح حالات کا واضح ہو کر سامنے آجانا

چاہے تاخیر سے ہو حقیقت کو جھٹلانے کی جرأت نہیں رکھتا۔

ریاست کشمیر کی تاریخ حرّیت میں شیخ محمد عبداللہ کا مذہبی اور سیاسی کردار ۱۹۳۱ء سے جن راستوں سے گزرا وہ راستے آپ سے آپ شہادت دیں گے کہ ان کے ہر نقشِ پا میں تلوّن رہا۔ ان کی رائے وقت کے مصنوعی اور ناپائیدار سانچوں میں ڈھلتی رہی ان کے فکر کے امتزاج میں ہمیشہ اجنبیت غالب رہی۔ یہ بگولے کی طرح اُٹھے اور آندھی کی طرح بیٹھ گئے۔ سادہ لوح، سادہ مزاج اور صاف دل کشمیری قوم کا یہ لیڈر اپنی شخصیت کے لیئے مُفید اور کشمیریوں کے لیئے غیر مُفید رہا۔

آزادیٔ کشمیر کی تاریخ مرتب کرنے والا مؤرخ اگر بددیانت نہ ہوا تو ڈوگرہ شاہی کے مظالم اور شیخ عبداللہ کے متذبذب فیصلے ہم وزن قرار دینے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

۱۹۳۱ء کی تحریک کشمیر میں اگر شیخ عبداللہ کی دیانت کو ذرّہ برابر دخل ہوتا تو آج کی تاریخ ماضی کی تاریخ کشمیر سے مختلف ہوتی، اس کے رنگ و روغن میں کشمیری مسلمانوں کا خون اس قدر ضائع نہ ہوتا جتنا ضائع ہو چکا ہے، مگر کشمیر کے مرزائیوں نے کشمیری لیڈر کی رائے کو اپنے فاسد عقیدوں کے لیئے ایسا استعمال کیا کہ اسے ویران کر کے رکھدیا۔ آج دریائے جہلم کی لہریں کشمیر کی بہاروں کو ترس رہی ہیں، چنار کے درخت خزاں کی زد میں ہیں۔ بادِ سموم نے بادِ صبح گاہی کو زہر گھولنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری شیخ عبداللہ پر ہے اگر یہ کشمیر کے لیئے مرزائیوں کی سیاست میں معاون نہ ہوتے تو شاید کشمیر کے مقدر کا فیصلہ اور انداز سے لکھا جاتا۔

بظاہر شیخ عبداللہ نے مرزائیت کی معاونت سے ہمیشہ اجتناب کیا جیسا کہ انکے مندرجات جو ذیل بیان سے ظاہر ہے:۔

"جب تک میں اس جماعت (مسلم کانفرنس) کا صدر رہوں کسی فرقے کو اجازت نہیں کہ وہ اس سیاسی جماعت کو اپنے مذہبی پروپیگنڈے کے لیئے استعمال کرے، میں نہ تو احمدی ہوں اور نہ ہی مجھے قادیانیوں کی فرقہ وارانہ تبلیغ سے کوئی ہمدردی ہے اس کے باوجود وہ اس سیاسی جماعت کے ہمدرد ہو سکتے ہیں۔ میں یہ حق نہیں رکھتا کہ انہیں (مرزائیوں کو) روک دوں یا ان کے مذہبی عقائد کے باعث انھیں جماعت سے خارج کر دوں، کیونکہ یہ احمدیت کا دور ہے۔

(نوٹ :۔ جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو رکھی گئی۔ اس کے پہلے صدر شیخ محمد عبداللہ اور جنرل سکریٹری چوہدری غلام عباس خاں مقرر ہوئے۔

لیکن مندرجہ بالا بیان کے باوجود شیخ عبداللہ کا تعلق قادیانیوں سے تھا۔ جیسا کہ ان کے حسب ذیل خط سے ظاہر ہے۔

آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس۔ سرینگر کشمیر صدر دفتر بچھوارہ سے

نمبر اے، او۔ ایس مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء

میں بصد شکریہ آپ کے خط نمبر ۳۱ پی، سی، ڈی مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء بحوالہ (دالالمان) نمبر ۳۳۵ اور ۸/۳ محررہ ۱۹ جون ۱۹۳۳ء کی وصولیابی کی اطلاع دیتا ہوں۔ میں نے آپ کے خط کے تیسرے جملے کو بڑی مسرت اور دلچسپی کے ساتھ نوٹ کیا ہے۔ اور کیا جاتا ہے کہ آپ نے جو انتظامات کیے ہیں اُن کے ذریعے ہم بڑی مفید امداد حاصل کر سکتے ہیں۔ میں ایسے موقع کا ایک عرصے سے منتظر تھا، میری کوشش بھی ہمیشہ یہی رہی ہے۔ میں بھی اکثر اوقات اپنے معاملات پوری طرح بی (برٹش) گورنمنٹ کے ساتھ طے کر لیا کرتا تھا جموں اور کشمیر کے علاقے سے رہائی کے بعد مسٹر..... سے ملاقات ہوئی تھی انھوں نے جو الفاظ کہے تھے وہ ابھی تک یاد ہیں میں نے انھیں اس وقت یہ بات بتا دی تھی اور انھوں نے اچھا مشورہ اور مُفید جواب دیا تھا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ حضرت خلیفہ صاحب کی ہدایت کے مطابق وہ ایس ۳ کے بارے میں دہلی میں پی (پولیٹیکل سکریٹری) سے مزید معلومات وصول ہونے تک عملی طور پر کچھ نہیں کیا جا سکتا، فی الحال میں نے طے کیا ہے کہ مسلم کانفرنس کا آئندہ اجلاس اپنی صدارت میں میرپور میں منعقد کروں۔ اس کے دو تین اسباب ہیں۔ یہ امر یقینی ہے کہ ہمارے خیالات پر مبنی کسی بھی تصوّر یا سکیم کی مخالفت کی جائے گی، آپ جن لوگوں کو بھیجیں گے انھیں پوری طرح سمجھا دیا جائے گا کہ ہر قسم کی مُخالفت سے گریز کریں جہاں تک دوسری پارٹی سے متعلقہ سوال کا تعلق ہے معاملہ جیسا کا ویسا ہی ہے۔ ابھی تک ان میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ وہ آزاد مسلم کانفرنس منعقد کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ دو وزیروں کی ہدایت پر ہو رہا ہے جنہیں کہ آپ جانتے ہیں۔ آخری ہتھیار جسے آپ پہلے ہی جانتے ہیں میدان میں چھوڑ دیا گیا ہے۔

اور مجھے یقین ہے یہ ان کی صفوں میں انتشار پھیلانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اور یہ تمام مسلمانوں کو ایک رستے میں ابڑھ کر صرف آپ کے پرچم (قادیانی پرچم) کے نیچے لا کھڑا کرے گا۔ آپ یہ جان کر خوش ہوں گے کہ ہر چیز طریقے سے انجام پذیر ہو رہی ہے لیکن دوسری طرف میری منزل کی راہ میں رکاوٹ پیش آ رہی ہے تو وہ انہی دو وزیروں کی ہے جو دوسری پارٹی کو ہدایت، مشورہ اور شہ دیتے ہیں اور ہمارے موقف کو کمزور کر کے آگے بڑھنے نہیں دیتے اس مدد سے دوسری پارٹی کافی مضبوط ہو گئی ہے، ورنہ وہ زمین پر پاؤں بھی نہیں رکھ سکتی، براہ کرم نوٹ فرمالیں کہ یہ دونوں وزیر خود میرے متعلقین میں بھی تفرقہ پیدا کرنے سے باز نہیں رہتے مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں مسلسل یہ کہہ رہا ہوں کہ اب بھی کچھ نہیں کیا گیا مجھے جو تازہ مراسلہ موصول ہوا ہے اس میں مجھے کافی اطمینان دلایا گیا ہے کہ میری راہ کے یہ روڑے دور کر دیئے جائیں گے (اس وقت افواہ تھی کہ ٹھاکر کرتار سنگھ اور مسٹر مہتہ تبدیل کر دیئے جائیں گے) جہاں تک پیر حسام الدین سعد الدین شال، مسٹر عشائی اور پیر مقبول شاہ وغیرہم کے رویّے کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ موجودہ حالات میں ان معاملات پر میری رائے زنی بالآخر خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ بے شک وہ مشہور لیڈر ہیں لیکن جہاں تک اصل کام کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ ریاستی حکام..... میرے لیئے ان لیڈروں کے آنے سے زیادہ مفید ثابت ہوئے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر دارالامان دوبارہ غلام محمد جوہری کے ذریعے آر۔ ایس سے (رابطہ) قایم رکھے تو میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ زیادہ اچھا ہوگا، مسٹر غلام نبی گلکار صدر انجمن احمدیہ قادیانی پارٹی سرینگر سے کہا گیا ہے کہ وہ فی الحال اپنا کام (تبلیغ) بند کر دیں، اس سلسلہ میں مسٹر بیہقی ان سے بات چیت کر رہے ہیں۔ آپ بھی نوٹ کر لیں بعض سیاسی وجوہ کے پیش نظر مرزا محمد یوسف سے کہا گیا ہے کہ مزید کچھ عرصے کے لیے اپنی روانگی ملتوی کر دیں اور دفتر کو اس کی اطلاع بھیجدی گئی ہے۔ میں صاحب بہادر (وزیر اعظم) سے کئی بار ملا ہوں اور میں نے ہر عمل ہدایت کے مطابق کیا ہے۔ انھوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ آپ کو مطلع کر دیا جائے کہ اس ضمن میں اطلاع پی (پولیٹیکل سکریٹری) کو دے دی گئی ہے فوری طور پر اس سے رابطہ قائم کر کے اپنی بات منوائی جائے، از راہ نوازش نوٹ کر لیجئے مجھے مطلع

کیا گیا ہے کہ میرپور کے اجلاس کی تاریخ مقرر کرنے سے پہلے مزید ہدایات حاصل کرنے کے لیے خلیفہ صاحب سے ملاقات کا وقت طے کر لیا جائے یہ ملاقات ایس ۳ کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے، تب خلیفہ صاحب اس مسئلے کے ہر پہلو پر غور و فکر کے بعد پی (پولیٹیکل سکریٹری) کی خواہش کے مطابق ایک نہایت آسان منصوبہ پیش بات کریں گے ان کے جواب میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ اس ملاقات کے لیئے سیالکوٹ یا وزیر آباد بہتر رہیں گے (یہ خبر اخباروں میں شائع ہو گئی تھی کہ مرزا بشیر الدین وزیر آباد آئیں گے) ایم مولوی عبداللہ وکیل اور صوفی عبدالاحد اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں جہاں تک مسٹر رحیم کا تعلق ہے وہ ضرورت کے وقت ہم سے آن ملے گا۔ آپ جو لوگ بھیجیں وہ بڑے منظم ہونے چاہیں واقف آدمی زیادہ بہتر رہیں گے، لاہور میں نمایاں کامیابی ہدیۂ تبریک قبول فرماویں۔

مؤدبانہ نیاز

آپ کا اپنا

دستخط ایس، ایم، عبداللہ، ایم ایس، سی

صدر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس۔ سرینگر

اس مراسلہ کی اصل نقل سید زین العابدین کو اطلاع اور ضروری کاروائی کے لیے ارسال کر دی گئی ہے۔

دستخط

ایس، ایم، عبداللہ صدر

(نوٹ:۔ مذکورہ خط انگریزی تحریر کردہ ہے۔ یہ خط مرزائیوں کے ربوہ کے دفتر امور عامہ سے ملا ہے۔ خط کے سرنامہ سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کا مخاطب کون ہے۔ تاہم خط کی عبارت سے ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا خط قادیان میں دفتر امور عامہ کی وساطت سے خلیفہ قادیان بشیر الدین محمود کو لکھا گیا تھا۔)

زیر نظر کتاب کے گزشتہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ عبداللہ سرینگر سے جب کبھی امرتسر آتے تو اسماعیل غزنوی کے ہاں قیام کرتے، اسماعیل غزنوی قادیان کے خلیفہ اوّل حکیم نور الدین کا حقیقی نواسہ تھا، اس قیاس اور قراین سے یہ حقیقت افسانہ نہیں کہ سیاسی بساط پر مرزائیوں نے جو مہرے بکھیرے تھے۔ شیخ عبداللہ کو ان میں امتیازی حیثیت حاصل تھی،

—— اور یہ سلسلہ ۱۹۳۸ء تک قائم رہا۔

جس دور میں حکومتوں کے مسائل باہم رضامندی سے طے ہو رہے ہوں اس دور میں ایک ریاست کا قضیہ طے کرنا کوئی اہم بات نہیں تھی۔ لیکن کشمیر کے قضیے میں ایک طرف بین الاقوامی طاقتیں کارفرما تھیں تو دوسری طرف اندرون ریاست کے مجرم ضمیر سیاست دان بھی اس جھگڑے کو طے کرنے میں مخلص نہیں تھے۔

اس طرح شیخ عبداللہ نے مرزائیوں کی کھلم کھلا اور پوشیدہ طور پر جو حمایت کی اور ان کی مدد حاصل کر لی اس سے اس شک میں ضرور تقویت ملی کہ وہ کشمیر میں مرزائیت کے لیے راہ ہموار کرنے میں اپنا بھرپور تعاون دے رہے تھے۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے وہ تحریک کو جس ڈگر پر لے جا رہے تھے وہ یقیناً ایک پُرخطر ڈگر تھی۔

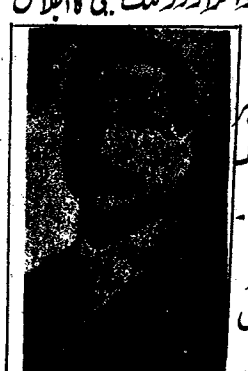
شیخ صاحب کے اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خفیہ طور پر حکومت کے ارکان کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور مسلم اتحاد کی صف میں انتشار پھیلانے کی سازش میں ملوّث تھے۔

❖ ❖ ❖

ہمارا نرم رَو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے

کاروانِ احرار

علامہ اقبال جب ۳ راگست ۱۹۳۱ء کو کشمیر کمیٹی سے الگ ہو گئے تو کشمیر تحریک کی ساری ذمہ داری انھوں نے مجلسِ احرار کے سپرد کر دی، چنانچہ ۱۸ راگست کو احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس لاہور میں منعقد کیا گیا اور حسبِ ذیل قرارداد منظور کی:۔


ڈاکٹر اقبال

(۱) مجلسِ احرار کشمیر ایجی ٹیشن کو ہندو مسلم تصور نہیں کرتی۔ کشمیر کے مسلمانوں اور مزدوروں کی حالت ایسی تباہ کن اور دردناک ہے کہ ہندوستان میں بھی کسی مزدور اور کسان کی نہ ہو گی۔ .... اگر کسی نہ کسی وجہ سے ہندوؤں اور سکھوں کا شر انگیز طبقہ اس بات پر تُل جائے کہ مسلمانانِ کشمیر پر ظلم برپا کیے جائیں جو پہلے سے ہی ستم رسیدہ ہیں، اس ایجی ٹیشن کو فرقہ وارانہ مسئلہ بنائے تو یہ مجلس نیشنلزم کے کاذب اور غلط نام کی خاطر ایسے متکبر اور محروم الانسانیت اور بے روح طبقہ کی حمایت پر تیار نہ ہو گی۔ لہٰذا یہ مجلس تمام غیر مسلم جماعتوں کو اتحادِ عمل کی دعوت دیتی ہے اور ان کی امداد بخوشی قبول کرے گی جو کشمیر کے مظلوم باشندوں کی امداد کے لیے ہاتھ بڑھائیں۔

(۲) مجلسِ احرار کا یہ ہرگز ارادہ نہیں کہ ہز ہائینس مہاراجہ کشمیر کو گدی سے اُتار دیا جائے اور نہ ان علاقوں میں مسلم راج قائم کرنا مقصود ہے اس مجلس کے خیال میں تمام ایجی ٹیشن مجلس احرار یا دوسری مسلم جماعت پر جو اس قسم کے الزامات لگانے کی خاطر کی جاتی ہے محض شرارت پر مبنی ہے اور دانستہ کی جا رہی ہے۔

(۳) مجلسِ احرار ریاستی معاملات میں برطانوی مداخلت کو دعوت دینے کے لیئے تیار نہیں اور چاہتی ہے کہ اس سلسلے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں ان سب کو دور کر دے، برخلاف اس کے یہ مجلس خیال کرتی ہے کہ اہلِ کشمیر کو موجودہ مصیبت میں مبتلا کرنے میں حکومت برطانیہ بھی ذمّہ دار ہے۔

(۴) احرار حکومت کشمیر کو انسانوں کا نظام اور موجودہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیئے پُرامن اور جائز ذرائع اختیار کرے گی۔

(۵) عملی کام شروع کرنے کے لیئے مجلس احرار مولانا مظہر علی اظہر کو تحقیقاتی کمیٹی کا قائد مقرر کرتی ہے تاکہ وہ سرینگر جاکر وہاں کے مسلمانوں کی شکایات اور موجودہ فسادات کی تحقیقات کریں نیز وہ وسائل اور ذرائع دریافت کریں جو مسلمانانِ کشمیر کی حالت کو درست کرنے کے لیے ضروری ہوں ــــ اس کمیٹی کے باقی ارکان کے ناموں کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

(۶) مجلسِ احرار ۱۹ اگست سے ۲۵ اگست تک ہفتہ کشمیر مقرر کرتی ہے جسے ہندوستان بھر میں منایا جائے۔

(۷) اس ہفتے کے فوراً بعد تحقیقاتی وفد سرینگر روانہ کیا جائے گا اگر ارکان کمیٹی کو سرینگر میں داخل نہ ہونے دیا، یا انھیں گرفتار کیا گیا تو فوراً سول نافرمانی شروع کر دی جائے گی"۔

دستخط :

حبیب الرحمان، فضل حق، مظہر علی اظہر، داؤد غزنوی

(جاری کردہ : "مجلسِ احرار")

۱۳ اگست کو مجلس احرار کی "کشمیر کمیٹی" کا چارج سنبھالتے ہی ۵ اگست کو وزیر اعظم کشمیر نے ایک اعلان جاری کیا۔

"چونکہ حکومتِ کشمیر کی طرف سے تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیا گیا ہے لہٰذا مہاراجہ کی حکومت غیر ریاست سے کسی فرد یا جماعت کو ریاستی معاملات میں دخل کی اجازت نہیں دے سکتا"۔

۱۸ اگست کو فضل حق کی صدارت میں دہلی گیٹ کے پاس ایک احتجاجی اجتماع ہوا جس میں ریاستی حکام کے اس اعلان کو مسلمانوں کے لیئے چیلنج سمجھتے ہوئے اس پر شدید احتجاج کیا گیا۔

۱۴ اگست کو کشمیر کمیٹی کے مقرر کردہ اجتماعات پر سارے پنجاب پر احرار کے رضا کاروں نے

BY FORC قبضہ کر لیا اور اسی دن مسلمانانِ لاہور کا ایک عظیم اجلاس ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی۔ انھوں نے مجلسِ احرار سے مطالبہ کیا کہ :

"کشمیر کے وزیر اعظم نے اپنے ۱۵ اگست کے اعلان میں یہ کہہ کر مسلمانانِ عالم کی توہین کی ہے کہ ریاست سے باہر کا کوئی مسلمان یا کوئی مسلم جماعت ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دے سکتا، بنا بریں یہ اجلاس مجلسِ احرار سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کشمیر کے مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لیکر حکومتِ کشمیر کو اس کے چیلنج کا جواب دے"۔

۳۱ اگست کو مجلسِ احرار نے سارے ہندوستان میں یومِ دعا، منایا جس میں مسلمانوں کو تاکید کی کہ :-

"تحریک کشمیر کو ہر قسم کے تشدد سے پاک رکھیں، نیز کسی مسلمان کی زبان اپنے مخالف پر نہ کھلے اور نہ ہی کوئی ہاتھ اپنے ہم وطن غیر مسلم پر اُٹھنے پائے جس سے تحریک کو شدید نقصان پہنچنے کا احتمال ہو"۔

مجلس احرار نے اعلان کیا ۲ ستمبر ۱۹۳۱ء کو احرار کا ایک وفد مہاراجہ سے ملنے کے لیے کشمیر جائے گا اس وفد کے قائد مولانا مظہر علی اظہر ہوں گے جبکہ باقی ارکان میں چوہدری افضل حق اور خواجہ غلام محمد ہوں گے۔ رانا آفتاب احمد بطور (اسٹینو) وفد میں شامل ہوں گے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی ریاستی حکومت نے جیل میں شیخ عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا تاکہ وہ اس قسم کی بیرونی مداخلت کی مخالفت کریں۔ چنانچہ مہاراجہ اور شیخ عبداللہ کے درمیان ایک عارضی صلح کے تحت سیاسی قیدی رہا کیے گئے۔

۳۰ اگست کے اخبارات "زمیندار" اور "انقلاب" میں اس عارضی صلح اور ریاست کے کشمیری رہنماؤں کے خلاف سخت غم و غصے کا اظہار کیا گیا اور ان کے اس اقدام کی سخت مذمت کی گئی۔

ریاست کے سیاسی حالات میں بیرونی مداخلت کے خلاف شیخ عبداللہ نے سرکار کی ہاں میں اس لیئے اپنی ہاں ملادی کیونکہ وہ کشمیر کمیٹی سے مرزائیوں کے اخراج کے خلاف تھے۔ اگر اس اخراج کی کارروائی علامہ اقبال نے نہیں کی ہوتی تو شیخ صاحب اس اقدام کے خلاف نہ صرف احتجاج کرتے بلکہ کشمیر کمیٹی کو جوں کا توں رہنے دیتے۔

احرار کا وفد ابھی کشمیر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ وزیر اعظم کشمیر نے مظہر علی اظہر کے نام تار روانہ کیا۔ "میرا نمائندہ آپ سے سیالکوٹ میں ملاقات کرنا چاہتا ہے"۔

اس تار کی روشنی میں ۳ ستمبر کو سیالکوٹ میں احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا اور اسی روز

ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی کوٹھی میں مولانا مظہر علی اظہر اور جموں کے گورنر کے مابین گفتگو ہوئی اور ان شرائط پر احرار کے وفد کو کشمیر جانے کی اجازت دی گئی۔

(۱) ریاست کے اندر کسی قسم کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔

(۲) ریاستی معاملات کی تحقیقات غیر جانبدار ہو۔

(۳) احرار رہنما ریاست کے مہمان ہوں گے۔

اس طرح ۷ ستمبر کو احرار کا پہلا وفد کشمیر میں داخل ہوا، شیخ عبداللہ نے احراری وفد کی یہ کہکر مخالفت کی کہ "احراری رہنماؤں نے حکومت کی میزبانی قبول کیوں کی؟"

اس کے جواب میں قائد وفد نے کہا۔

"اگر حکومت کی یہ شرط ہم منظور نہ کرتے تو اسی بہانے حکومت کشمیر ہمیں یہاں آنے کی اجازت نہ دیتی۔"

احراری رہنماؤں کو سرکاری ہاؤس بوٹ میں ٹھہرا دیا گیا۔ لیکن حکومت اور کشمیری رہنما کے عارضی صلح نامے کے مطابق کوئی بھی کشمیری رہنما ان سے ملنے نہیں آیا اور وفد کے ارکان کو ہاؤس بوٹ سے باہر آکر عوام سے ملنے اور بات چیت کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ انہیں ایک طرح سے حصار میں بند کر کے رکھ دیا گیا۔

ان کے خلاف یہی الزام لگ گیا کہ "آپ نے سرکار کا مہمان بننا قبول کیوں کیا؟" اس پر جب مظہر علی اظہر نے کہا کہ:

"اگر آپ لوگ ہمیں اپنے ہاں ٹھہرانا پسند کریں تو ہم ابھی سے تیار ہیں۔"

لیکن اس پر کسی نے حامی نہ بھری، دراصل اس وفد کو ناکام لوٹانے کی یہ حکومت کی چال تھی اور اس چال میں حکومت نے شیخ عبداللہ کو اپنا شریک بنا دیا تھا۔

اس واقعہ کے بارے میں کاروانِ احرار کے مصنف جانباز مرزا نے لکھا ہے۔

"اس سال کی تحریک کشمیر کو جسے مجلس احرار نے شروع کیا تھا سمجھنے کے لیے اگر ان واقعات کو سمجھ لیا جائے کہ احرار رہنماؤں سے کشمیری لیڈروں نے جموں اور سرینگر میں اس قدر بے اعتنائی کیوں کی تو تاریخ کشمیر کے مؤرخ کو بڑی آسانی ہوگی۔

خود غرض افراد اور تن آسان قومیں ملک و ملت کے لیے اسی طرح ضرر رساں ہوتے ہیں جس طرح بہار کے لیے بادِ سموم، دونوں اپنے اپنے مفاد کی سوچتے ہیں اور اس موڑ پر جگمگاں

ٹولہ اپنے مقدر کی نیو اٹھاتا ہے اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ اس عمارت میں مخلص کا خون گارے کے مانند کام آیا اور پھر شاہی وقار خود چل کر ان قوموں یا افراد کو مبارکباد دینے جاتا ہے جنھوں نے ایسی حرکات سے اپنے لیئے غلامی کا تانا بانا تیار کیا ہے

شریکِ حکم، غلاموں کو کر نہیں سکتے
خرید لیتے ہیں فقط ان کا جوہرِ ادراک

کشمیری رہنما اور ڈوگرہ شاہی کے درمیان جس عارضی صلح کی خبر ۳ اگست کے اخبارات میں شائع ہوئی اس صلح نے کشمیری لیڈروں کے ضمیر پر شاہی رشوت کی ایسی مہر ثبت کی کہ تیس لاکھ غلام کشمیریوں کا لہو بھی انہیں زندگی نہ دے سکا اور ان کی مصلحت انکے ایمان کی موت بن کر رہ گئی۔"

احراری وفد نے ریاست میں سرکاری مہمان ہونے کے باوجود واپس آکر ۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو بیان دیا:

"چونکہ کشمیری عوام پر حکومت کشمیر کے مظالم ناقابلِ برداشت ہو گئے ہیں لہٰذا احرار کا وفد جو آزادانہ تحقیقات کے لیئے گیا تھا وہ واپس آگیا ہے۔ بدیں حالات مجلسِ احرار ریاست کشمیر میں ڈوگرہ شاہی کے بڑھتے ہوئے مظالم کے خلاف باقاعدہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کر رہی ہے۔

مولانا مظہر علی اظہر اس تحریک کے پہلے ڈکٹیٹر ہوں گے اور انھیں اختیار ہوگا کہ وہ اپنے بعد جسے مناسب سمجھیں اپنا جانشین مقرر کریں۔"

اُسی روز قائد وفد مولانا مظہر علی اظہر نے کشمیر سے واپس آتے ہی تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا ۱۱۳ افراد پر مشتمل قافلہ کے رہنما کی حیثیت سے سچیت گڑھ کے راستے ریاست کشمیر میں داخل ہونے کے لیئے روانہ ہو گئے۔

اس طرح مولانا مظہر علی اظہر نے قافلے کی رہنمائی کرتے ہوئے پہلی گرفتاری دی اور شیخ الٰہی بخش جو چیف منسٹر کے قافلے کی رہنمائی کر رہے تھے کشمیری قوم کی سربلندی کے لیئے پہلا جام شہادت نوش فرمایا، کاروانِ احرار میں جو نامور اور معزز ہستیاں شامل تھیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔	سید عطاء اللہ شاہ بخاری	(کریری پٹن) لاہور
۲۔	چوہدری افضل حق	لاہور
۳۔	مولانا حبیب الرحمان	〃

(۴)	مولانا مظہر علی اظہر	لاہور
(۵)	مولوی عبید اللہ سندھی	〃
(۶)	شیخ حسام الدین صاحب	〃
(۷)	مولانا داؤد غزنوی	〃
(۸)	خواجہ عبدالرحیم عاجز	〃
(۹)	چوہدری عبدالعزیز صاحب	〃
(۱۰)	خواجہ غلام محمد صاحب	〃
(۱۱)	ماسٹر محمد شفیع صاحب	〃
(۱۲)	عبدالرحمان غازی	〃
(۱۳)	ڈاکٹر عبدالقوی صاحب	〃
(۱۴)	سیّد جماعت علی شاہ صاحب	〃
(۱۵)	مولانا ظفر علی خاں صاحب	لاہور
(۱۶)	شمس الدین حسن صاحب	〃
(۱۷)	چوہدری برکت علی صاحب	〃
(۱۸)	چوہدری محمد امین صاحب	〃
(۱۹)	محمد اشرف عطا	〃
(۲۰)	مَلِک لال دین صاحب	〃
(۲۱)	مولانا عبدالغفار غزنوی	امرتسر
(۲۲)	مولانا عبدالسلام ہمدانی	امرتسر
(۲۳)	ملک غلام حسن صاحب	امرتسر
(۲۴)	میاں محمد شریف الدین صاحب	امرتسر
(۲۵)	میاں محمد عمر صاحب	امرتسر
(۲۶)	صوفی نذیر حسین صاحب	امرتسر
(۲۷)	حکیم مہر دین صاحب	امرتسر
(۲۸)	ماسٹر تاج الدین انصاری	لدھیانہ

(۲۹)	حافظ محمد ابراہیم صاحب	بمبئی
(۳۰)	حافظ محمد شریف صاحب	اجمیر
(۳۱)	مولانا معین الدین صاحب	〃
(۳۲)	حکیم غلام حسین صاحب	کلکتہ
(۳۳)	تاج الدین جہاز	〃
(۳۴)	ایم - جی - حسن	〃
(۳۵)	مولانا حسرت موہانی	کانپور
(۳۶)	مولانا مشتاق احمد صاحب	سہارن پور
(۳۷)	سید محمد احمد کاظمی	〃
(۳۸)	غلام محی الدین صاحب	〃
(۳۹)	چوہدری محمد جمیل	〃
(۴۰)	کریم بخش صاحب	〃
(۴۱)	بابا اللہ دتہ صاحب	〃
(۴۲)	سید غلام علی صاحب	〃
(۴۳)	مولانا محمد زماں صاحب	ٹوبہ ٹیک سنگھ
(۴۴)	چوہدری محمد سخی صاحب	〃
(۴۵)	مستری عبدالعزیز صاحب	〃
(۴۶)	قاضی محمد سعید صاحب	وزیر آباد
(۴۷)	چوہدری عبدالستّار صاحب	فیروز پور
(۴۸)	چوہدری عبدالعظیم صاحب	〃
(۴۹)	مولوی عبدالمنّان صاحب	ہوشیار پور
(۵۰)	چوہدری عبدالحق صاحب	〃
(۵۱)	مولانا الہ دین صاحب	〃
۵۲	چوہدری عبدالرحمان صاحب	〃
(۵۳)	شیخ سردار احمد	〃

(۵۴)	شیخ عبدالرشید صدیقی	ملتان
(۵۵)	قاضی احسان احمد	-
(۵۶)	مستری غلام نبی انصاری	جہلم
(۵۷)	ڈاکٹر نذر محمد	-
(۵۸)	ماسٹر محمد ابراہیم	بٹالہ
(۵۹)	حاجی عبدالغنی	-
(۶۰)	شوق محمد صاحب	-
(۶۱)	حاجی عبدالرحمان	-
(۶۲)	مولوی رحمت اللہ	-
(۶۳)	صوفی عنایت محمد	راول پنڈی
(۶۴)	حکیم فضل احمد	-
(۶۵)	مولانا محمد اسماعیل	-
(۶۶)	خواجہ احمد دین	سیال کوٹ
(۶۷)	سید کرم حسین شاہ	چک جھمر
(۶۸)	حکیم جمال الدین	-
(۶۹)	مولانا عبدالمجید قرشی	لاہور
(۷۰)	عزیز احمد حنّان	جالندھر
(۷۱)	سید محمد سلیمان شاہ	-
(۷۲)	خوشی محمد صاحب	-
(۷۳)	شیخ خدا بخش	جھنگ
(۷۴)	عطا محمد صاحب	صوبہ سرحد
(۷۵)	محمد رمضان صاحب	-
(۷۶)	مولانا عبدالرحیم بالپزی	-
(۷۷)	سردار گوہر رحمان	جموں

(۷۸)	اللہ رکھا ساغر	جموں
(۷۹)	عبداللہ خاں	ڈیرہ غازی خاں
(۸۰)	شیخ الٰہی بخش	-

کاروانِ احرار کے یہ نامزد عہدیدار اور کارکن جو اسّی کے قریب تھے، ان کے علاوہ اس کے ساتھ جو لوگ شامل تھے۔ ان کی تعداد لاکھوں میں شمار کی جاتی ہے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے یہ گنجہائے گراں مایہ کیا کئے



کانٹے کسی کے حق میں کسی کو گل و ثمر
کیا خوب اہتمام گلستاں ہے آج کل

مجلسِ احرار کی کشمیر کی تحریک میں شمولیت

احرار کی تحریک سے نہ صرف ریاست کی ڈوگرہ حکومت لرزہ براندام ہوگئی بلکہ ہندوستان کی کانگریس بھی پریشان ہوگئی، مجلس احرار دراصل کانگریس کا ہی باغی گروپ تھا اور اس باغی گروپ کی طاقت کا کانگریس نے بالکل غلط اندازہ لگایا تھا۔

کشمیر کی تحریک حریت میں جب اس مجلس نے اپنے آپ کو وابستہ کیا تو دور دور تک اس کا چرچا ہونے لگا چنانچہ اس مجلس کا توڑ کرنے کے لیئے کانگریس نے اس میں اپنے چند حامی مسلمانوں کو داخل کر دیا، اس سلسلے میں اختر علی خاں سرینگر تشریف لائے اور وزیر اعظم سے ملاقات کرنے کے بعد واپس دہلی روانہ ہو گئے۔

ان کے والد مولانا ظفر علی خاں نے مہاراجہ کشمیر کے قصیدے میں ایک نظم لکھ کر پہلے ہی اخبار "زمیندار" میں شائع کرائی تھی جس کی بدولت اُن کے بیٹے کو شرف ملاقات مل سکا۔

اے جواں سال مہاراجہ کہ بزم کشمیر — گونجتی ہے تیرے اخلاص کے افسانوں سے
اے کہ آراستہ ہے نامۂ عظمت تیرا — بخت و دولت کے چمکتے ہوئے عنوانوں سے
ہے یہی میری تمنا کہ تشکر کی زباں — نہ کبھی عہدہ برآ ہو تیرے احسانوں سے

چنانچہ اختر علی خاں کے واپس جانے کے کئی دنوں بعد مولانا مظہر علی خاں، خواجہ عبدالرحمان غازی اور خواجہ غلام محمد سرینگر تشریف لائے انہیں سرکاری مہمان بنا کر ہاؤس بوٹ میں ٹھہرایا گیا۔ پہلے پہل شیخ عبداللہ نے اس وفد کے ساتھ ملاقات کرنے سے احتراز کیا لیکن جب انھیں بتایا گیا یہ وفد کانگریس کا حامی گروپ ہے اور یہ کشمیری رہنماؤں کی مالی امداد کرنا چاہتا ہے تو شیخ صاحب ان سے ملنے کے لیئے راضی ہو گئے اور آبی گزر کے ہاؤس بوٹ میں جہاں احرار کا یہ وفد مقیم تھا۔ شیخ عبداللہ ان سے ملنے آیا۔

ان لیڈروں نے شیخ صاحب سے شکایت کی کہ ہمارے ساتھ یہاں سرد مہری کیوں برتی جارہی ہے جب کہ ہم لوگ آپ کی بھرپور مدد کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ "کشمیر کمیٹی" کے ارکان کے ساتھ آپ بڑی خوش اسلوبی سے ملتے ہیں اُن کا تعاون بھی حاصل کر رہے ہیں۔ شیخ عبداللہ نے انھیں جواب دیا۔

"یہ شکوہ ہم بھی آپ سے کر سکتے ہیں، اول تو یہ کہ آپ یہاں جب بھی آتے ہیں تو سرکار کے مہمان بن کر آتے ہیں، آپ یہاں کے شہیدوں کے گھر جاکر ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں سرکار نے مختلف مقدمات میں پھنسا کر پریشان کر دیا ہے ہمیں مالی امداد اور ماہرانہ قانونی مشوروں کی ضرورت ہے آپ ان ضروریات میں ہماری کوئی دست نگری نہیں کر رہے ہیں جبکہ "کشمیر کمیٹی" ہماری بھرپور مدد کر رہی ہے وہ اپنے خرچے پر یہاں وکلاء بھیج رہی ہے، مڈلٹن اور گلینسی کمیشن کے سامنے کشمیری مسلمان اپنا کیس پیش کریں گے تو کشمیر کمیٹی کی ہی امداد سے، اتنا ہی نہیں کشمیر کمیٹی کے نمائندے شہداء اور قیدیوں کے گھروں میں جاکر اپنی بساط کے مطابق نقد و جنس سے ان کا بوجھ ہلکا کر رہے ہیں، اس لیئے اگر ہم آپ کی مجلس کے بجائے کشمیر کمیٹی کا دامن پکڑیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

کانگریس کے یہ حامی احراری اس بات پر خوش ہوئے کہ ان کا تیر نشانے پر بیٹھ گیا، انھوں نے امداد کے طور پر شیخ صاحب کو پانچ سو روپے اسی وقت ادا کیئے، نور محمد بک سیلر نے اپنی ڈائری میں یہ رقم چھ سو بتائی ہے۔ البتہ اخبار "زمیندار" نے اس وقت پانچ سو روپے دینے کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے بعد میں عشائی صاحب کو دو سو روپے دیئے۔

روپے دینے کا یہ ذکر چھڑ گیا تو مولوی یوسف شاہ اور مولوی احمداللہ ہمدانی بھی اُن سے ملاقاتی ہوئے۔ اِن دونوں مولویوں کو پانچ پانچ سو روپے دیئے گئے تو انھوں نے یہ کہہ کر روپے واپس کر دیئے کہ چونکہ وہ سینیئر لیڈر ہیں اس لیئے ہم جونیئر لیڈروں کے مقابلے میں زیادہ کے حقدار ہیں، بعد میں ان کو ایک ایک ہزار روپے دیئے گئے، بعض دستاویز میں یہ رقم دو دو ہزار بتائی گئی ہے۔ البتہ اصل میں دو حضرات کو دو ہزار صحیح ہے۔

شیخ عبداللہ کو جب پتہ چلا کہ مولویوں کو ایک ایک ہزار روپے دیئے گئے ہیں تو وہ سخت برہم ہوئے اور پانچ سو روپے انھیں واپس لوٹانے کے لیئے ہاؤس بوٹ گئے۔ جب وہ یہاں آئے تو ان کو بتایا گیا کہ وفد کے ارکان یہاں نہیں ہیں بلکہ کہیں گئے ہوئے ہیں۔ کسی اور نے بتایا وفد

دوسرے ہاؤس بوٹ میں ہے۔

شیخ صاحب لال منڈی میں دوسرے ہاؤس بوٹ میں گئے تو یہاں چوہدری افضل حق، شیخ حسام الدین اور تاج الدین انصاری بیٹھے تھے، کچھ دیر بعد ان کے ساتھ میاں امیرالدین بھی شامل ہو گئے۔ شیخ صاحب نے غصہ سے ان کو پانچ سو روپے واپس کر دیئے تو اُن کو حیرت ہوئی انھوں نے شیخ صاحب سے کہا ہم نے ابھی تک کوئی روپے پیسے دیئے ہی نہیں ہیں آپ واپس کیا کر رہے ہیں۔ اس پر غور و خوض کیا گیا تو پتہ چلا "احرار" کے نام سے کانگریس کا ایک وفد آیا ہوا ہے اور وہ آبی گزر کے پاس دوسرے ہاؤس بوٹ میں مقیم ہے۔

شیخ صاحب دوسرے روز پہلے والے ہاؤس بوٹ میں آئے تو روپے واپس کرنے کے بجائے ان سے ترش روی سے بولے:

"آپ لوگ باہر سے آکر ہمارے معاملات میں دخل نہ دیں ہم حکومت سے خود نمٹ لیں گے"

اس پر عبدالرحمان غازی نے کہا۔

"چلو ہم آپ کے معاملات میں دخیل نہیں ہوتے لیکن کیا آپ لوگوں نے اپنے کوئی مطالبات مرتب کیے ہیں جو آپ حکومت کو پیش کریں گے؟"

"جی ہاں!" شیخ عبداللہ نے جواب دیا۔

یہ سن کر غازی عبدالرحمان نے خواجہ غلام محمد سے کہا کہ "میرے اٹیچی کیس میں پڑے ہوئے کاغذات اٹھا لائیں"

یہ کاغذات جن میں انگریزی میں ٹائپ کیئے ہوئے مطالبات تھے۔ مولوی اسماعیل غزنوی مرزا بشیرالدین محمود کے دفتر کی میز سے چوری سے اٹھا لائے تھے۔ یہ کاغذات غازی صاحب نے شیخ عبداللہ کو دکھا کر کہا:

"یہ مطالبات تو نہیں جو آپ حکومت کو پیش کر رہے ہیں؟"

شیخ عبداللہ کا رنگ اُڑ گیا، اور وہ ہکلاتے ہوئے بولے:

"آپ کے پاس یہ کیسے پہنچ گئے؟"

اس پر غازی صاحب نے جواب دیا۔ "جہاں سے آپ کے پاس پہنچے ہیں"

یہ مطالبات جو کشمیر کی مسلم قیادت کی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کو پیش کیئے گئے تھے دراصل سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا نے شملہ میں مرزائیوں کی شہ پر مرتب کر کے ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو دربار کشمیر کے روبرو پیش کیے تھے۔

مطالبات اصل مسائل سے بالکل ہٹ کر یوں ترتیب دیئے گئے تھے:

(۱) کشمیر میں ایک مشاورتی مجلسِ قانون ساز مقرر کی جائے جس کی ترتیب کچھ انتخابات سے اور کچھ نامزدگی یا بلاواسطہ انتخاب سے عمل میں آئے۔

(۳) ریاست کے تمام باشندوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے۔

(۴) پولیس از سرِ نو منظم کی جائے۔

(۵) فی الحال ریاستی کابینہ میں ایک برطانوی وزیر رکھا جائے۔

(۶) ترقی کی حکمت عملی کے متعلق ایک اعلان کیا جائے۔

شیخ صاحب مزید کچھ کہے پوچھے یہاں سے واپس چلے گئے اور احراری وفد سے ایک طرح سے روٹھ گئے۔ دراصل احراری وفد جس کی قیادت چوہدری افضل حق کر رہے تھے۔ اس وقت وزیر اعظم سے ملنے گیا تھا۔ چوہدری افضل حق نے وزیر اعظم سے ملاقات کے دوران انہیں مشورہ دیا۔

"تشدد سے کشمیر میں امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا، بیداری کی جو روح عوام میں پیدا ہو چکی ہے اُسے آپ کا تشدد اب کسی صورت میں بھی دبا نہیں سکتا، اگر آپ اپنے ملک کو اس کی ضرورت کے مطابق اصلاحات دے دیں جس سے کشمیری عوام کشمیر کے اندر حکومت میں جائز مقام پا سکیں تو صورت حال بہتر ہو جائے گی اور کشمیر میں مستقل امن ہو جائے گا۔"

یہ وفد وزیر اعظم سے ملنے کے بعد واپس ہاؤس بوٹ میں آیا تو انھوں نے شیخ عبداللہ سے ملنے کے لیئے انہیں پیام بھیجا، شیخ صاحب نے وفد سے ملنے سے انکار کیا تو تاج الدین انصاری نے بخشی غلام محمد کو اپنے ہاں بلوایا، بخشی صاحب اپنے ساتھ غلام نبی گلکار کو بھی لے آیا۔ غلام نبی گلکار مرزائی ہو کر بھی احراری وفد سے ملاقات کر کے کافی متاثر ہوئے، چنانچہ بخشی غلام محمد اور غلام نبی گلکار نے شیخ صاحب کو اس وفد سے ملنے کے لیئے راضی کر لیا۔ اس طرح کشمیری نمائندوں اور احراری وفد کے درمیان غیر رسمی گفتگو ہوئی۔ اِس ملاقات کے دوران شیخ عبداللہ نے ان سے پوچھا:

"آپ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

افضل حق نے ان سے کہا۔

"مجلس احرار اگر اتنی زبردست تحریک ہندوستان بھر میں چلا سکتی ہے تو اس علاقے کے اخراجات کیوں برداشت نہ کر سکے گی، حالانکہ ہماری مجلس سرمایہ داروں کی نہیں بلکہ غریبوں کی مجلس ہے پھر بھی ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریک کے ماہانہ اخراجات کا تخمینہ کتنا ہے؟"

شیخ صاحب نے چار سے پانچ ہزار تک بتایا جو وہ مرزائیوں سے حاصل کرتے تھے۔

وفد کے سربراہ نے ان سے پوچھا "یہ خرچہ اب تک کیسے برداشت کیا جا رہا ہے؟"

شیخ صاحب نے جواب دیا،

"ایک پارٹی ہے جس کا میں یہاں نام نہیں بتاؤں گا۔ یہ سارا خرچہ برداشت کر رہی ہے۔"

احراری وفد جان گیا یہ "کشمیر کمیٹی" ہوگی۔ انہوں نے کہا۔

"تخمینہ تو بہت تھوڑا ہے ہماری مجلس ماہانہ دس ہزار تک خرچہ برداشت کر سکتی ہے۔"

اس پر شیخ صاحب اور ان کے ساتھی مطمئن ہوئے۔

میاں امیر الدین نے اسی وقت پنجاب میں کشمیری مظلومین کے لیئے چندہ کے نام پر جمع کی گئی امدادی رقم ڈھائی ہزار اور کچھ چیکیں شیخ صاحب کو پیش کر دیں۔

جب میاں امیر الدین سرینگر سے واپس پنجاب آ گئے تو ڈپٹی کمشنر مسٹر ایسکوئتھ نے انھیں اپنے دفتر بلوا کر ان سے چندہ جمع کر کے ان کو سرینگر لے جانے اور وہاں پر شیخ عبداللہ کے حوالے کرنے کی باز پرس کی، میاں امیر الدین نے صاف صاف اقرار کر لیا۔

چونکہ اُن ایام میں وہ پنجاب کے رجسٹرار تھے لہٰذا ڈپٹی کمشنر کے حکم سے ان کے کمیشن جو انھیں رجسٹراری کے طور پر بطور معاوضہ مل رہا تھا اس میں سے سالانہ پانچسو روپے کی کمی کر دی گئی۔ میاں امیر الدین نے سرکار انگلیشیہ کے پاس اس فیصلے کے خلاف سخت احتجاج کیا لیکن ڈپٹی کمشنر کا آرڈر واپس نہیں لیا جا سکا۔

احراریوں کی طرف سے ماہانہ دس ہزار تک کا خرچہ مرزائیوں کے لیئے مہلے پہ دہلہ تھا۔ چنانچہ شیخ صاحب جب "کشمیر کمیٹی" کے ارکان سید محسن شاہ اور سید غلام بیگ مقیم سرینگر سے ملے تو ان کے لہجے سے صاف عیاں تھا کہ وہ ان کے پاس ریٹ بڑھانے آئے ہیں تاکہ انھیں احراریوں کا دستِ نگر نہ بننا پڑے ان کی یہی کوشش تھی کہ کشمیر تحریک کے ساتھ احراریوں کے بجائے مرزائی وابستہ رہیں،

اور اس کے لیے انعام میں انھیں وہ موٹر ملے جس کا مرزا بشیر محمود نے دینے کا وعدہ کیا تھا۔

مرزائیوں سے بات چیت کرنے کے بعد شیخ صاحب غلام احمد عشائی کے ہمراہ اگلے روز احراری وفد سے پھر ملے اور ان کے سامنے مطالبات کے اس چارٹر جو مہاراجہ کو ترمیم کرکے بھیجنا مطلوب تھا اس میں سے ذمہ دار نظام حکومت درج کرنے سے صاف انکار کیا۔ چوہدری افضل حق نے راتوں رات اس اہم مطالبے سے دست بردار ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کوئی معقول جواب نہیں دیا، دراصل یہ مرزائیوں کی کارستانی تھی۔

چناں چہ احراری وفد ناراض ہوکر واپس چلا گیا، واپس جاکر انھوں نے ایک بیان جاری کیا۔

"ہم ایک ایسی منتخب اسمبلی کو جسے کوئی ذمہ داری اور اختیار حاصل نہ ہوں بے حقیقت اور نمائشی جماعت سے زیادہ وقعت نہیں دیتے، یہ اُن شہیدانِ وطن کے قیمتی خون کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی جو کشمیر کی آزادی کے لیئے اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں۔ انہیں حقیقی اصلاحات ملنی چاہیں نہ کہ اصلاحات کا فقط سایہ، ہمیں یقین ہے کہ جو مطالبات مہاراجہ کے سامنے پیش کیے گئے ان سے کشمیر کے مصائب کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ ایسی منصفانہ اصلاحات ریاست میں نافذ کرائی جائیں جن سے یہاں کے عوام کو ذمہ دار حکومت مل جائے پھر انشاء اللہ فتنہ وفساد کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوجائے گا۔

تمام مصائب کا علاج صرف اور صرف یہ ہے کہ کشمیری عوام کو ذمہ دار اسمبلی بنانے کا حق دے دیا جائے ورنہ دوسری کوئی چیز کشمیری عوام کو مطمئن نہیں کرسکتی۔

ان حالات وواقعات کی موجودگی میں ہم واپس آگئے ہیں۔ کیونکہ ہماری رائے میں قادیانیوں کی طرف سے شملہ میں بیٹھ کر جو مطالبات مسلمانانِ کشمیر کے لیئے مرتب کرکے مہاراجہ کے سامنے پیش کیے گئے وہ تمام ناکافی ہیں لہٰذا آئندہ کے لیئے عملی کاروائی کی سکیم مجلس عاملہ احرار کے اجلاس میں طے کی جائے گی اور وقت پر اس کا اعلان کر دیا جائے گا۔"

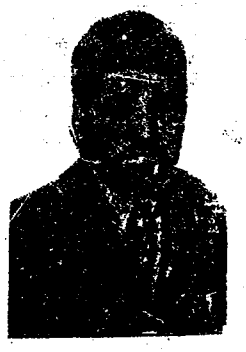
شیخ حسام الدین (رُکن وفد احرار ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

شیخ صاحب نے مجلسِ احرار کا معقول اور مناسب مطالبات کا چارٹر نامنظور کرکے "کشمیر کمیٹی" کی طرف سے وہ مطالبات کا چارٹر منظور کیوں کیا؟ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ شیخ صاحب اپنی صفوں میں احراریوں کو شامل کرنا نہیں چاہتے تھے، ویسے شیخ صاحب اس بارے میں بھی صاف اور مخلص نہیں تھے۔ کیونکہ احراریوں کی طرف سے چندے کے نام پہ انھوں نے نذرانہ وصول کرنے میں کوئی پس وپیش نہیں کیا۔

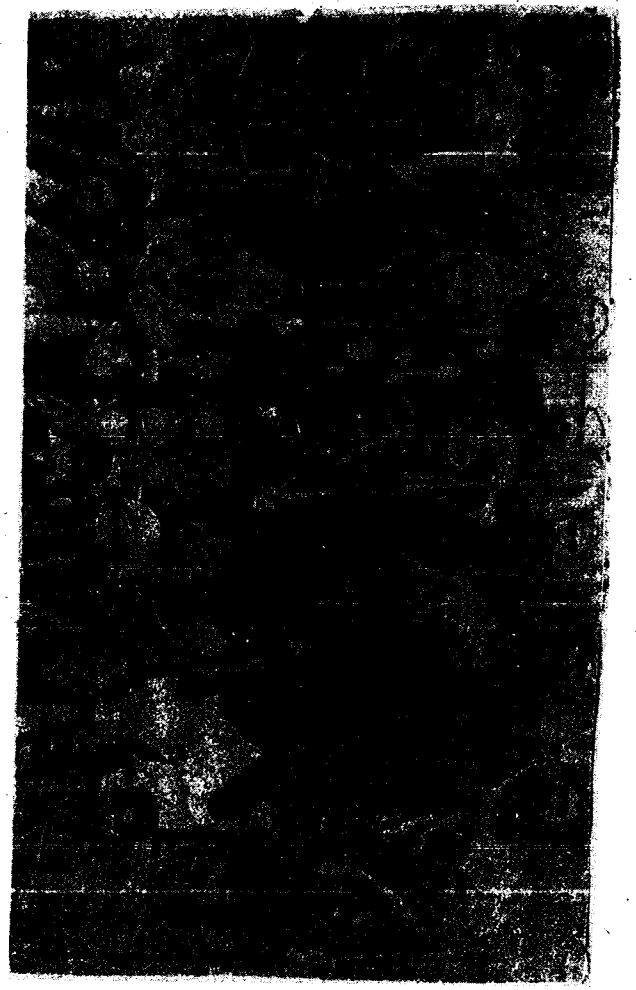
بخشی غلام محمد اور غلام نبی گلکار کی نظر میں احراری وفد نے جو نقد اور چیکس شیخ صاحب کو پیش کیے وہ مظلوم کشمیریوں کے لیے امداد تھی جسے شیخ صاحب نے نذرانہ کا نام دیا، کیونکہ یہ سب کچھ انھوں نے مقامی کمیٹی میں جمع کرانے سے اجتناب کیا جس کی وجہ سے بخشی غلام محمد اور غلام نبی گلکار اندر ہی اندر کڑھتے رہے۔



بخشی غلام محمد



غلام نبی گلکار



احرار کے والینٹیر اور وہ معصوم بچے

جو تحریک حریت کی خاطر میدان کارزار میں آترے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر گئے

شاید کسو کے دل کو لگی اس گلی میں چوٹ
میری بغل میں شیشۂ دل چور ہو گیا

کاروانِ احرار کی یلغار

کاروان احرار اور ڈوگرہ فوجوں کے درمیان ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو ایک طرح کی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ مولانا مظہر علی اظہر اور ان کے تمام ساتھی پہلے ہی وار میں گرفتار کر لیے گئے۔ ان کے بعد شیخ حسام الدین دوسرے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے۔ ۳۱ اکتوبر کو اللہ رکھا ساغر نے مسلمانانِ جموں کی طرف سے مہاراجہ کو چوبیس گھنٹے کے نوٹس میں کہا:

"کشمیر میں ذمہ دار اسمبلی کے قیام کا فوراً اعلان کیا جائے احرار رہنما اور رضا کاروں کو رہا کر دیا جائے۔ ورنہ میں سول نافرمانی شروع کروں گا"

جہلم کا محاذ شیخ محمد اشرف عطا، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور جانباز مرزا کی ذمہ داری میں دیا گیا۔ چنیوٹ کے قافلے کی قیادت شیخ الٰہی بخش کر رہے تھے۔

مختلف اطراف سے سیکڑوں کی تعداد میں احراری قافلہ محاذ پر رواں دواں ہوا کچھ لوگ پیدل، کچھ تانگوں اور لاریوں کے ذریعے پتن تک قافلے کے ساتھ آ گئے۔

پتن پر انگریز علاقے میں پولیس، مجسٹریٹ اور دوسرے حکام موجود تھے۔ ان کی ہدایت پر دریائے جہلم کی تمام کشتیاں کنارے سے ہٹا لی گئی تھیں۔ لیکن رضا کاروں کے عزم شہادت نے دریائے جہلم کی طغیانی کو شکست دینے کے لیے بے خطر دریا میں چھلانگیں لگا دیں۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

احراری جتھے جو ریاست میں کشمیری مظلومین کے لیے سر بہ کفن ہو کر آ رہے تھے ان میں بیشتر غریب اور لاچار تھے بعض افراد کے پاس زادِ راہ بھی نہیں تھا اور بہت سے، رضا کار اپنی بیویوں

کے زیورات فروخت کر کے کشمیریوں کی مدد کے لیے روانہ ہوئے تھے، اور جلوس کی صورت میں بازو لہرا لہرا کر پکار رہے تھے:

چلو چلو مومنو رخ کرو کشمیر کا!
توڑ کر باطل کی گردن جوہر دکھاؤ شمشیر کا

کشمیر چلو کا نعرہ دے کر احراری دھڑا دھڑ رضا کار پلٹن میں بھرتی ہو رہے تھے کہ علامہ اقبال نے نواب صاحب پالن پور کی معرفت مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک پیغام بھیجا تاکہ وہ کشمیر کے لیڈروں کے ساتھ مصالحت کریں کیونکہ نواب صاحب پالن پور کا مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ یارانہ تھا۔ شاید اس پیغام کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہوتا۔ نواب صاحب نے علامہ اقبال سے احراری لیڈروں کو اپنی پیش قدمی روکنے کو کہا لیکن احراری لیڈر اُن کا مشورہ نہیں مانے کیونکہ ان کی نظروں میں علامہ اقبال اس بارے میں مرزائیوں کی طرف داری کر رہے تھے۔

احرار کی سول نافرمانی کی تحریک پنجاب سے نکل کر ہندوستان کے ساحل تک جا پہنچی ہندو پریس نے اس کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا۔

ہندو پریس کے اس واویلا نے مسلمانوں کا جوش و جذبہ اور بڑھا دیا، چنانچہ پنجاب کے ساتھ ساتھ گجرات، گورداسپور، علی گڑھ، مراد آباد، یوپی اور دہلی کے قافلے لاہور کی طرف کوچ کرنے لگے۔ اس کے بعد کراچی، پشاور اور کلکتہ سے بھی قافلے آنے لگے۔

۴ نومبر کے اخبارات میں گورنر جنرل ہندوستان کی طرف سے احرار کے قافلوں کو روکنے کے لیے ایک آرڈی ننس کا نفاذ ہوتے ہی مہاراجہ کشمیر نے انگریز فوج کی مدد حاصل کر لی۔

مجلس احرار کے بیشتر لیڈروں کے ساتھ بیشمار رضا کار گرفتار کر لیے گئے۔ جیل خانوں میں احرار قیدیوں پر تشدد کر کے انہیں زیرِ عتاب کرنے کی کوشش کی گئی۔ خوراک میں کئی کئی سالوں کا بوسیدہ چاول اور آٹا، گلی سڑی سبزیاں دی گئیں، ان سے کولھو اور خراس کی چکی پیسنے کی مشقت کرائی گئی۔ کاغذ کا ملیدہ، اٹھارہ سیر گندم، پیسنا، مونجھ کوٹنا، بان بٹنا جیسی ظالمانہ مشقتیں جو بیشتر ازیں کانگریس تحریک کے دنوں میں بھی جیلوں میں قیدیوں سے نامناسب سمجھی جاتی رہیں۔ احرار قیدیوں سے ان کا حصول جائز قرار دیا گیا۔ کسی قیدی کے معمولی سے سوال پر اس قدر پیٹا جاتا کہ وہ بیہوش ہو جاتا۔ کولھو اور کنویں کے آگے بیلوں کی جگہ احرار قیدیوں کو جوتا جا رہا تھا۔ کھڑی ہتھکڑی، بیڑی، ڈنڈ، بیڑی، ٹاٹ وردی جیسی بے رحمانہ مشقتیں کرا کر

احراریوں سے سیاسی انتقام لیا گیا۔ اس تحریک کی ابتدا سے انتہا تک چھتیس ہزار رضا کار گرفتار کیے گئے اور اس دوران پچیس احراریوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ چھ مہینے کا ایک معصوم بچہ اپنی ماں کی گود میں قید ہوا۔ احرار کی سول نافرمانی کو ایک ماہ گزر گیا تو انھوں نے یوم سیالکوٹ منانے کا فیصلہ کیا۔ کوئی بیس ہزار کے قریب رضا کار سیالکوٹ میں جمع ہوئے تو سیالکوٹ گویا احرار کی ایک چھاؤنی بن گیا۔ آٹھ دس سال کے بچے ماؤں نے اپنی گودوں سے اٹھا کر جیلوں میں بھیج دیئے تھے۔ اس شہر کی خواتین بھی اس روز احراری رضا کاروں کے سُرخ لباس کی تقلید کرتی ہوئی سُرخ دوپٹے اور سُرخ شلوار پہن کر آئی تھیں اور رضا کاروں کے لیے کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔ سیالکوٹ کے اس اجتماع سے ریاستی سرکار گھبرا گئی اور اس نے احراریوں کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۲ دسمبر ۱۹۳۱ء کو حسبِ ذیل دعوت نامہ مولانا کفایت اللہ صدر جمعیۃ العلماء ہند اور مولانا احمد سعید کے نام وزیر اعظم کشمیر کی طرف سے کشمیر ہاؤس دہلی سے روانہ کیا گیا۔

"جناب محترم!

میں نہایت ہی خوشی کے ساتھ یہ بات جناب کے علم میں لاتا ہوں کہ آج سہ پہر کے وقت ۵ اور ۶ بجے کے درمیان ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر آف کشمیر آپ سے اور مولانا احمد سعید صاحب سے مُلاقات کی مسرّت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بالکل ٹائم بعد میں ٹیلیفون پر عرض کر دیا جائے گا۔

نیازمند
ہری کرشن کول، وزیر اعظم جموں و کشمیر

۲ دسمبر کو ہز ہائی نیس مفتی صاحب اور مولانا صاحب نے کشمیر ہاؤس دہلی میں ملاقات کی۔ مفتی صاحب نے تجویز پیش کی کہ مجلس احرار کے لیڈر جو مختلف جیلوں میں نظر بند ہیں انھیں لاہور بورسٹل جیل میں منتقل کیا جائے تاکہ ان کے ساتھ ایک جگہ مسائل پر بات چیت ہو سکے۔

اس دوران وزیر اعظم نے دریافت کیا کہ کن احرار لیڈروں کو ایک ہی جیل میں پہنچانے کا انتظام کرنا ہے۔ مفتی صاحب نے چوہدری افضل حق، عبدالرحمان غازی، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا احمد علی مولانا محمد چراغ، مولانا داؤد غزنوی، شیخ حسام الدین، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ماسٹر محمد شفیع کے نام لکھوائے۔

مہاراجہ۔ نے منظوری دیدی اس طرح میٹنگ برخاست ہوگئی۔

۶ر دسمبر کو وزیر اعظم نے مفتی صاحب کے نام تار روانہ کیا۔

"مفتی کفایت اللہ صاحب!

پریذیڈنٹ جمعیتہ العلمائے ہند

حکومت پنجاب سے ملاقات ہوچکی ہے، اراکین کو ایک جگہ جمع کرنے کا کام شروع ہوا اس میں چند یوم کا عرصہ لگے گا۔ اس مدت میں براہِ کرم حضرات کو لاہور میں اپنی رائے سے مطلع کر دیجئے اور اس کی ایک کاپی میرے پاس بھیجدیجئے۔ میں آپ کو خط بھیج رہا ہوں۔

مخلص:

ہری کرشن کول "

مفتی صاحب کا تار وزیر اعظم کے نام:

"دہلی، ۷ر دسمبر ۱۹۳۱ء

جناب مکرم وزیر اعظم جموں وکشمیر! تسلیم!

جناب کا تار موصول ہوا شکریہ — ! میرے خیال میں ممبران ورکنگ کمیٹی احرار کے اجتماع میں کوئی دقت نہیں ان کے اجتماع اور میرے اُن سے مشورہ کرنے سے پہلے نہ میں کوئی تجویز مرتب کر سکتا ہوں اور نہ ہی ایسی کوئی تجویز مفید ہو سکتی، برائے کرم ان کے اجتماع کا انتظام جلد کر دیجئے۔

محمد کفایت اللہ

۱۰ر دسمبر کو خواجہ حسن نظامی نے مولانا احمد سعید صاحب کو مطلع کیا کہ آنریبل سر فضل حسین، مفتی کفایت اللہ اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں ان کی رائے ہے کہ اگر آپ حضرات آج چار بجے ان کی کوٹھی پر تشریف لائیں تو مہربانی ہوگی۔

مولانا احمد سعید مفتی صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد خواجہ حسن نظامی کے ہمراہ سر فضل حسین کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ گفتگو کے دوران یہاں حاجی عبداللہ ہارون بھی موجود تھے۔ گفتگو کا موضوع مجلس احرار تھا۔ اور سر فضل حسین نے احراری قیدیوں کو ایک جگہ جمع کرانے میں اپنا تعاون پیش کیا ۱۶ر دسمبر تک مختلف جیلوں سے احراری قیدیوں کو لاہور بورسٹل جیل میں منتقل کیا گیا لیکن یہاں انھیں ایک تھور رکھنے کے بجائے مختلف بارکوں میں رکھا گیا، جس کی وجہ سے وہ آپس میں صلاح مشورہ نہ کر سکے

مفتی کفایت اللہ نے وزیر اعظم کشمیر کے نام ایک خط کے ذریعے اس طریقہ کار سے ناراضگی ظاہر کی تو وزیر اعظم نے ۲۳ر دسمبر کو اپنے خط میں لکھا:

"احرار لیڈرز سے جو ملاقات ہو رہی ہے وہ پنجاب گورنمنٹ کی زیر نگرانی ہے اس لیئے آپ کو چاہیے کہ پنجاب گورنمنٹ کے ذمہ دار افسروں سے گفت وشنید کریں اگر ضروری سمجھا گیا تو یہی افسراں ہم سے خط وکتابت کر سکتے ہیں۔"

اگلے ایک اور خط میں وزیر اعظم نے مفتی صاحب کو لکھا۔

"مکرمی مفتی صاحب!

آپ کا مراسلہ مورخہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو ملا، مشکور ہوں۔ میں آپ کے مراسلہ اور اس کے جواب کا جو میں نے ۲۵ر دسمبر کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا ان کی نقلیں آنریبل سر ہنری کریک اور آنریبل نواب سکندر حیات خاں کی خدمت میں بھیج چکا ہوں، آپ براہِ راست نواب سکندر حیات خاں سے ملاقات فرما سکتے ہیں۔ میرے ایما پر آپ کا دہلی سے یہاں تشریف لانے کے لیئے میں ممنون ہوں۔ اگر بفضل کوئی نتیجہ نیک پیدا ہوا تو گورنمنٹ ہم لوگوں کو باقاعدہ اطلاع دے گی۔

آپ کا صادق:

ہری کرشن کول

وزیر اعظم ہری کرشن کول کی طرف سے یہ خط ملنے کے بعد مفتی صاحب نے حسب ذیل خط لکھ کر آنریبل سر سکندر حیات خان کو لکھا۔

"لاہور۔ دفتر مجلس خدام الدین ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۱ء

بخدمت جناب آنریبل نواب سر سکندر حیات خان صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

وزیر اعظم ریاست جموں وکشمیر کی اس اطلاع پر کہ قرارداد کے موافق احرار لیڈرز کو بورسٹل جیل لاہور میں جمع کر دیا گیا ہے آپ ان سے ملاقات کریں۔ میں اور مولانا احمد سعید دہلی سے لاہور آئے اور ۲۲ر دسمبر کو احرار ورکنگ کمیٹی کی معیت میں احرار لیڈرز سے جیل میں ملاقات کی اور بعض مبادیات کے تصفیہ کے لیئے ہم نے وزیر اعظم کو مراسلہ لکھا اس کے جواب میں وزیر اعظم نے ہمیں اطلاع دی کہ معاملہ پنجاب گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے

اور یہ کہ انھوں نے آپ کو میری اور اپنی خط وکتابت کی اطلاع کر دی ہے۔ اور آئندہ گفتگو کا سلسلہ جناب سے متعلق رہے گا۔ اس لیئے برائے کرم گفتگو کے وقت اور مقام سے مطلع فرما کر منت پذیری کا موقع عنایت فرمادیں۔ میرے ساتھ مولانا احمد سعید صاحب ہوں گے۔

اگر بیگم جنوری تجویز فرمادیں تو ایک بجے سے قبل یا چار بجے کے بعد کا وقت مقرر فرمادیں۔

محمد کفایت اللہ

پریذیڈنٹ جمعیۃ العلمائے ہند

اس خط کا جواب سر سکندر حیات خان نے اس طرح بھیجا:۔

لاہور ۴ر جنوری ۱۹۳۲ء

مکرمی جناب مفتی کفایت اللہ صاحب زاد عنایتہ۔

سلام مسنون، آپ کا عنایت نامہ محررہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۱ء مجھے ۲ر جنوری ۱۹۳۲ء شام کو ملا۔ آپ نے ملاقات کے متعلق دریافت فرمایا، جواباً عرض ہے کہ مجھے مسرت ہوگی اگر آپ اور مولانا احمد سعید صاحب کل مورخہ ۵ر جنوری ۱۹۳۲ء کو چار بجے شام بندہ کے مکان ۲۱ لوکر مال پر تشریف لے آئیں۔

خاکسار خلائق

سکندر حیات خان عفی عنہ

۵ر جنوری کو مولانا مفتی کفایت اللہ بمعہ مولانا احمد سعید نواب سکندر حیات سے ملاقاتی ہوئے دورانِ گفتگو سکندر حیات خان نے کہا کہ میں آپ سے گفتگو نجی حیثیت سے کر سکتا ہوں، سرکاری حیثیت سے نہیں، کیونکہ یہ معاملہ حکومتِ کشمیر کا ہے اور اس کا کوئی نمائندہ یہاں موجود نہیں ہے۔

سر سکندر حیات خان سے یہ جواب پانے کے بعد مفتی صاحب نے راجہ ہری کرشن کول سے تفصیلات طلب کیں۔

وزیر اعظم ہری کرشن کول نے ۱۹ر جنوری کو مفتی صاحب کے نام ایک تفصیلی خط لکھ کر اپنی پوزیشن واضح کر دی اور ہز ہائینس کی طرف سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ اس کے جواب میں مولانا مفتی صاحب نے وزیر اعظم کے نام اس سلسلے کا آخری خط ۲۰ر جنوری ۱۹۳۲ء کو لکھا جس میں

انھوں نے اس مسئلے میں اپنی کنارہ کشی کا اظہار کیا۔

اس ساری گفتگو اور خط وکتابت کے باوجود بھی جب کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو پتہ چلا اصل میں سر سکندر حیات خان اس معاملے میں ڈبل رول ادا کر رہے تھے، انہیں ۱۶ر دسمبر کو سر فضل حسین نے جنوبی افریقہ کے دورے پر جانے سے قبل یہ منصوبہ بتایا تھا کہ احرار کو یہ مقام حاصل نہیں ہونے دینا جس سے ان کو کسی قسم کی کامیابی مل سکے۔

آئینی اعتبار سے حالات نے جب ایسا رخ اختیار کر لیا تو احرار رہنماؤں نے ریاست سے باہر تحریک کو قدرے روک دیا۔ ریاست کے اندر آئینی اور غیر آئینی تحریک کو منظم کیا۔ سرینگر میں اس تحریک کی ذمہ داری ماسٹر تاج الدین انصاری کی سپرد داری میں تھی اور جموں میں اللہ رکھا ساغر حکومت کے لیے دردِ سر بنے ہوئے تھے۔

احرار کے رضا کاروں کے ساتھ ساتھ خواتین احرار بھی مظلوم کشمیریوں کی تحریک میں جان ڈالنے کے لیے سامنے آگئی تھیں۔

۵ر مارچ ۱۹۳۲ء کو مولانا مظہر علی اظہر کے مکان رہائشی، ریلوے روڈ لاہور پر خواتین کا ایک اجتماع ہوا جس میں خواتین احرار قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور مندرجہ ذیل انتخاب عمل میں آیا۔

صدر: بیگم چوہدری عبدالستار میونسپل کمشنر فیروزپور

نائب صدر: بیگم مولانا مظہر علی اظہر، بیگم مولانا عبداللہ احرار قصور، بیگم عبدالحمید۔

ناظم اعلیٰ: بیگم خواجہ غلام محمد لاہور

اس اجتماع میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

"۱۔ مسلم خواتین کا یہ جلسہ اپنی ہندوستانی مسلم بہنوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ریاستِ کشمیر میں مسلمانوں پر ڈوگرہ راج اور برطانیہ کے ظلم و تشدد کے خلاف منظم ہونے کے لیئے اپنے اپنے علاقوں میں خواتین مجلسِ احرار کی شاخیں قائم کریں۔

۲۔ یہ جلسہ تمام بہنوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ مجلس احرار ہند کے حق میں پروپیگنڈا کریں نیز اپنے شوہروں، بھائیوں اور دوسرے مردوں کو مجلس احرار میں کام کرنے کی تلقین کریں۔

۳۔ یہ جلسہ مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر انھوں نے اس پُر امن جنگ کو جس میں

ہزاروں مسلم بھائی اس وقت تک جیلوں میں جا چکے ہیں جاری رکھنے کا فیصلہ نہ کیا
تو پھر ہم خواتین کشمیری بھائیوں کی امداد کے لیے میدان میں آئیں گی "

احراری خواتین نے اپنی گرفتاریاں پیش کرنے کے لیے سیالکوٹ کے راستے کشمیر میں جتھے بھیجنے شروع کیے۔ اس تحریک کا پہلا قافلہ چوہدری عبدالستار میونسپل کمشنر فیروزپور کی بیگم کی زیرِ قیادت جو کئی عورتوں پر مشتمل تھا روانہ ہوا، قافلہ سالار کی گود میں چھ ماہ کا بچہ بھی تھا جو اپنی ماں کے ساتھ محاذ پر روانہ ہوا۔

قافلہ سالار کے علاوہ دوسری خواتین میں بیگم مولوی عبدالرحیم، ہمشیرہ عبیداللہ، بیگم مولوی محمد علی ہیڈ ماسٹر، بیگم عظیم خاں قابلِ ذکر ہیں۔

احرار خواتین کا یہ قافلہ جو سب کا سب خنجروں سے لیس تھا فیروزپور دیہات کا دورہ کرتا ہوا ۱۸ اپریل کو سیالکوٹ پہنچا، ان کے ساتھ اور کئی خواتین شامل ہو گئیں۔ سیالکوٹ میں اس قافلے کو گرفتار کر کے انہیں سرسری سماعت کے بعد عدالت نے چھ چھ ماہ قید بامشقت کی سزا سنا دی۔

روزنامہ اسٹیٹسمین کی رپورٹ کے مطابق جسے اس اخبار نے ۴ مئی ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں درج کیا ہے۔ مجلسِ احرار کے بارے میں یوں لکھا ہے:

" احرار سول نافرمانی کرنے والوں کی تعداد پینتالیس ہزار پانچسو چھیاسی ہے
قید و بند کے مصائب اور خونریز قربانیوں کے سلسلے میں مسلمانانِ کشمیر کو مجلس احرار کی خواہش کے مطابق ڈوگرہ شاہی سے نجات کے لیے وہ کچھ تو نہ مل سکا تاہم باغبان نے بہ رضائے صیاد و گل و غنچہ کو چمن کی ہر شاخ پر چہکنے کی اجازت دے دی۔

احراری تحریک کی بدولت مسلمانانِ کشمیر کو جو رعایات مل گئیں حسب ذیل ہیں:

(۱) وہ کشمیری کاشتکار جس کے پاس زمین تھی لیکن وہ اس کا مالک نہیں تھا (کیونکہ ریاست کی تمام آراضی مہاراجہ کی ملکیت تھی) تحریک احرار کے بعد کسان اس کا مالک بن گیا اور ریاست کے مالکانہ حقوق ختم ہو گئے، اب ذمہ دار صرف مالیہ ادا کرتا ہے۔

(۲) احرار تحریک کے بعد پچاس فیصد لگان صرف پانچ فیصد رہ گیا۔

(۳) تحریر و تقریر اور جماعت بنانے کی اجازت مل گئی۔

(۴) اخبار نکالنے اور آزادئ رائے پر کوئی پابندی نہیں رہی۔

(۵) آزاد اسمبلی کا وجود تسلیم کر لیا گیا (مگر اسمبلی برائے نام تھی)، تحریک احرار میں پنجاب کے علاوہ دہلی، آگرہ، علی گڑھ، مرادآباد، اجمیر، سہارنپور، کلکتہ، بمبئی اور پھر شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے عوام نے اپنی بساط اور حالات کے تحت دل کھول کر کشمیری بھائیوں کے لیے مالی اور جانی قربانی کی، لیکن اس تحریک میں سیالکوٹ نے جس فراخدلی، حوصلگی اور دلجمعی کا مظاہرہ کیا برصغیر کی کسی سیاسی تحریک میں کسی شہر کو یہ مرتبہ یہ اعزاز حاصل نہیں "

اتنی بڑی مالی اور جانی قربانیوں کے باوجود کشمیری رہنماؤں نے احراری لیڈروں کو سخت دل برداشتہ کیا اس کی نشاندہی ہمیں کامریڈ کرشن دیو سیٹھی کی کتاب "یادِ رفتہ" میں ملتی ہے انھوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:-

" جب ۱۹۳۱ء میں احرار کی تحریک زوروں پر تھی تو شیخ عبداللہ نے ریاستی وزیراعظم کرنل کالون کی ایما پر یہ بیان دے کر کہ سارے معاملات مہاراجہ اور اس کی رعایا کے درمیان ہیں بیرونی عناصر کو اس میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے مجلس احرار نے کشمیر کی لیڈرشپ سے نہ صرف کنارہ کشی اختیار کر لی بلکہ اسے کبھی معاف نہیں کیا اس سلسلے میں ایک واقعہ کافی دلچسپ ہے۔

مجلس احرار کے لیڈر اور برصغیر ہندو پاکستان کے شعلہ بیان مقرر جن کا تقریر میں آج تک کوئی ثانی نہیں ہوا اور شاید نہ ہوگا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۹۴۵ء میں کشمیر تشریف لائے، ان کے آباو اجداد ضلع بارہمولہ میں واقع قصبہ پٹن سے متصل کریری کے رہنے والے تھے۔ ان دنوں نیشنل کانفرنس کا تاریخی اجلاس قصبہ سوپور میں منعقد ہو رہا تھا۔ بخاری صاحب پٹن میں خواجہ غلام محمد جالب سابقہ ممبر اسمبلی کی دوکان کے اوپر بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ سوپور جاتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو جب پٹن سے گزر رہے تھے تو انہیں بتایا گیا بخاری صاحب یہاں تشریف رکھتے ہیں پنڈت جی کار سے اتر کر بیٹھک میں تشریف لائے اور بخاری صاحب سے خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد انہیں اپنے ہمراہ سوپور چل کر نیشنل کانفرنس کے اجلاس کو خطاب کرنے کی درخواست کی، بخاری صاحب نے بلا جھجک انکار کر دیا اور کہا " میں نے عبداللہ کو ۱۹۳۱ء میں آزمایا اور ترک کر دیا

اب آپ آزمانا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی میں دوبارہ تجربہ نہیں کرنا چاہتا ۔ یہ الفاظ انھوں نے میری اور جالب صاحب کی موجودگی میں کہے ۔"

کشمیری عوام کو ڈوگرہ شاہی سے نجات دلانے کے لیے کشمیریوں سے زیادہ اور بہت زیادہ مالی و جانی قربانیاں مجلس احرار نے دیں، زیادہ اور سب سے زیادہ اذیت بھی احرار کے مرد و زن نے اٹھائی۔ کشمیر کے رہنماؤں کے مقابلے میں احرار لیڈروں کو بیڑیاں پہنا کر کولھو کے بیل کا کام لیا گیا۔ ان سے چکی پسوائی گئی، ان پر کوڑے برسائے گئے اپنے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنی ماؤں بہنوں اور بیویوں کو بھی قید کروایا، احراری رضاکاروں کے ساتھ ان کے آٹھ سال سے لے کر بیس سال کے ڈیڑھ ہزار بچے قید کی سزا کاٹ رہے تھے ۔ جیلوں میں احراری لیڈروں کو اس تحریک سے باز آنے کے لیے ایسی اذیت دی جا رہی تھی کہ ہمارے رہنماؤں کو اگر اس کا سواں حصّہ بھی دیا جاتا تو وہ ہمیشہ کے لیے سیاست سے توبہ کرتے ۔

وہ جیل میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے پر بھی معافی نامہ دینے سے گریز نہیں کرتے تھے، احراریوں کی یہ ساری قربانیاں رائیگاں کیوں گئیں؟ اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے ۔

" باوجودیکہ شیخ عبداللہ اور ان کی کشمیر کمیٹی حکومت کو تعاون کا یقین دلا چکے تھے مگر صدیوں کی غلامی سے اُکتایا ہوا کشمیری علمِ بغاوت کی اُڑانوں کے سائے میں اڑتا چلا جا رہا تھا ۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ اب میری تقدیر کا پانسہ پلٹ چکا ہے میری زنجیریں ٹوٹنے والی ہیں میرا خونِ کشمیر کی کھیتی میں زعفران پیدا کرے گا جس کی سرخی میرے چہرے کو سیب کی طرح لال کر دے گی مگر آہ، بھولا کشمیری یہ نہیں جانتا تھا کہ جو ہاتھ میری غلامی کی گرہیں کھولنے کا تماشہ کر رہا ہے ۔ ہنوز وہی ہاتھ میرے گریبان کی دھجیاں نوچ کر اپنی تن پوشی کا انتظام بھی کر رہا ہے ۔"

"آزادیٔ برصغیر" کے مصنف جانباز مرزا کا کہنا ہے :

" مہاراجہ کشمیر کا مذہبی تعصب انگریزوں سے ان کا ذاتی انتقام شیخ عبداللہ کا سیاسی فقدان، قادیانیوں کی عیاری اور پنجاب کے ٹوڈی رؤسا کے احرار کے مقابل احساسِ کمتری نے بتیس لاکھ کشمیریوں کی زنجیریں جو ۱۹۳۱ء کے عوامی تحریک کے نتیجے میں ٹوٹنے والی تھیں نہ جانے کتنی مدّت کے لیے مضبوط تر کر دیں ۔

۲ر اکتوبر ۱۹۳۱ء سے ۹ر جون ۱۹۳۲ء تک کشمیر کی آزادی کے لیے مجلس احرار نے

جس قدر جد و جہد کی اگر کشمیری رہنما ذاتی مصلحتوں سے ماورا رہ کر مجلس احرار کی عوامی تحریک سے عدم تعاون نہ کرتے تو کشمیر کے لہلہاتے کھیت جہاں گلپوش وادیاں، برف سے لدے مسکراتے پہاڑ، دریائے جہلم کی ہنستی ہوئی موجیں جن کی روانی میں خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں نے اپنا خون شامل کیا تھا آج اس قدر اُداس نہ ہوتیں مگر آہ !

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۱۹۳۱ء میں کشمیری مسلمانوں کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے انہیں ڈوگرہ شاہی سے نجات دلانے کے لیے مجلس احرار نے جو تحریک شروع کی تھی، اگر بعض کشمیری رہنما اس راستے کا پتھر نہ بنتے تو کشمیر کی گل پوش وادیاں اور دریائے جہلم کی موجیں گواہ ہیں کہ احرار رضاکاروں نے مہاراجہ ہری سنگھ کا تخت کشمیری مسلمانوں کے قدموں پر ڈال دیا ہوتا ۔

وائے ناکامی فلک نے تاک کر توڑا اُسے
میں نے جس ڈالی کو توڑا آشیانے کے لیے

چھ سال کے بعد کشمیری رہنماؤں نے وہی کچھ کہا اور کیا مگر :

کی میرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

۱۴ر مئی کو پونچھ کشمیر میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہوا اس ریاست کے لیے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا گیا یہ قرارداد چوہدری غلام عباس خاں نے پیش کی اور یہ پُرجوش نعروں کے ساتھ منظور کی گئی ۔"

انھوں نے مزید لکھا ہے :

" کشمیری رہنماؤں کی باہمی رقابت نے یہاں کے مسلمانوں کو پہلے ڈوگرہ شاہی اور بعد میں بھارت کا غلام بنا دیا اس طرح آزادیٔ کشمیر کی جنگ میں بیرونِ کشمیر کے مسلمانوں کا خون اور محنت بھی رائیگاں گئی ۔

قومیں صدیوں کے بعد بیدار ہوتی ہیں اگر لیڈر مخلص اور بیدار مغز ہو تو اس موقع سے فائدہ پہنچ سکتا ہے ۱۹۳۱ء میں جو لڑائی کشمیر کے لیے لڑی گئی اس کا اعادہ

پھر کبھی نہیں ہو سکے گا ۔ مخلص قوم کے غیر مخلص لیڈروں نے سارے کیے دھرے پر پانی پھیر دیا۔

شخصی اقتدار کا مالک جمہور کے تابع رہ کر بھی اپنی وضعداری قائم رکھتا ہے، عوام کی ضروریات حیات اور وقت کے تقاضے اس کے ارادوں کو نہ متزلزل کرتے ہیں اور نہ وہ خود کسی تذبذب میں پڑتا ہے، تاہم عوام کے دلوں کی دھڑکن سننے والے کانوں میں اگر حکومت مصلحت کا سکہ نہ اُنڈیل دے تو یہ آواز دور دور تک سُنی جا سکتی ہے۔ اگر شہیدوں کا خون اس سے ہم آہنگ ہو تو یہ صدا بہ صحرا ثابت نہیں ہوتی۔

کشمیری عوام نے ڈوگرہ شاہی سے گلو خلاصی کے لیے جس قدر جد وجہد کی اگر اس کے رہنماؤں میں دیانت کا فقدان نہ ہوتا تو کشمیر کا رئیس اپنی رعایا سے اس طرح مذاق نہ کرتا۔

تاریخ کشمیر کا انجام کیا ہوا؟ اس کا جواب مستقبل کی تاریخ دے گی یہ فیصلہ مورّخ کرے گا کہ کشمیری مسلمانوں کے خون ناحق کا سودا کس نے کیا۔ لیکن جہاں تک بحیثیت انسان اور مسلمان احرار کے فرائض میں تھا انھوں نے قربانی و ایثار سے اپنی اور کشمیر کی تاریخ کو ہم آہنگ کر لیا، کشمیر کی تاریخ احرار کا ذکر کیے بغیر ادھوری رہے گی، وہ مؤرّخ بخیل اور بد دیانت ہو گا جو شہدائے کشمیر کی لاشوں کا شمار کرتے وقت احرار رضاکاروں کی لاشوں کا شمار نہیں کرے گا۔

وقت آئے گا کہ مظلوم کشمیریوں کے لیے ۱۹۳۱ء میں بیرونِ کشمیر کے عوام کا خون اس وقت[1] کے کشمیری رہنماؤں سے اپنا انصاف مانگے گا۔

پردۂ موت سے نکلے گی حیات جاوید — کہ مسلمان شہادت کے طلبگار رہو تے
جس نے ڈھایا تھا کبھی ظلم کی بنیادوں کو — پھر مسلمان اس جذبے سے سرشار ہوتے
ہڈیاں جن کی ہیں چونا تو لہو ہے گارہ — قصرِ آزادیٔ کشمیر کے معمار رہوتے"

لیکن ان کی یہ عمارت رہنمایانِ کشمیر نے ایسی ڈھا دی کہ کشمیر میں قصرِ آزادی کے کھنڈرات اس بات کی شہادت دے رہے ہیں ؎ کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی۔

---

[1] مصنف کی طرف سے یہ تحریر اس وقت مرتب کی گئی ہے جب "کشمیر ایکارڈ" کے تحت شیخ عبداللہ ۱۹۷۵ء میں دوبارہ وزیر اعلیٰ یعنی کشمیریوں کے رہنما بن گئے۔

باب ۴

حکومت اور عوام کے درمیان ٹکراؤ
اور
سول نافرمانی کی تحریک

اب اندیشہ کیوں ہو یارو مستقبل کی جانب سے
اپنی صورت مجھ کو دکھا دی فردا نے تنہائی میں

جُز

صفحہ

۱۔ مسلم اتحاد میں پھوٹ کے اسباب ——— ۱۸۵

۲۔ تحقیقاتی کمیشن اور مراعات کا اعلان ——— ۱۹۵

۳۔ کمیشن کی رپورٹ پر مہاراجہ کی تصدیق ——— ۲۰۵

۴۔ شیخ محمد عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کا ٹکراؤ ——— ۲۱۳

۵۔ ڈوگرہ راج کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک ——— ۲۲۳

۶۔ بخشی غلام محمد کی والینٹرس فورس اور ڈکٹیٹروں کی گرفتاریاں ——— ۲۳۱

۷۔ سجان حجّام کی بلیغار ——— ۲۴۱

بہت محتاط رہنا جادۂ منزل میں اے ہمدم
وہی رہزن نہ ہو، جو رہبری کی بات کرتا ہے

مُسلِم اتّحاد میں پھُوٹ کے اسبابؔ

مُسلِم اتحاد کے درمیان اندرونی اور بیرونی امدادی رقومات فتنہ فساد کی جڑ بن گئے کیونکہ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور ایک دوسرے سے چھپے چھپائے مرزائیوں کے ساتھ احراریوں، لیگیوں کے ساتھ کانگریسیوں سے بھی ریلیف کے نام پر دولت وصول کی گئی۔

مرزائیوں نے ریلیف کی رقومات کے بارے میں شیخ عبداللہ کے ساتھ رابطہ رکھا تو مولوی ناراض ہوگئے۔ انھوں نے احراریوں سے رابطہ بڑھا کر مرزائیوں کی کھُلم کھُلا مخالفت کرنا شروع کی۔ شیخ عبداللہ پر مرزائی بننے کا الزام لگا تو یہ الزام دھونے کے لئے انھیں بہت سے پاپڑ بیلنے پڑے۔

احراریوں نے اپنے مقصد کی برآوری کے لئے مرزائیوں پر جو الزامات لگائے اِس سلسلے میں وہ خود بھی بری الزمہ نہ تھے۔ کیونکہ کشمیری مظلومین کے ساتھ ہمدردی کے اظہار کی آڑ میں وہ بھی اپنی سیاسی دُکان چمکانے میں لگے ہوئے تھے۔ کانگریس سے علیٰحدہ ہونے کے بعد وہ اس پارٹی پر اپنی دھاک بٹھانا چاہتے تھے اس کے لئے کشمیر کا پلیٹ فارم استعمال کرنا چاہتے تھے۔

شیخ عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کے درمیان رخنہ پڑنے کی بُو سونگھ کر سرکاری اہلکاران دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف اُکسانے کے لئے تاریں ہلانے لگے۔

چنانچہ جب ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو لال منڈی کے مقام پر شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا تو جیل میں جہاں انھیں مختلف طریقوں سے زیرِ عتاب کیا گیا وہاں مولوی یوسف شاہ کے ساتھ رابطہ قایم کر کے حکمراں جماعت نے انھیں شیخ صاحب کے بارے میں بھڑکانا شروع کیا۔ اسی دوران ٹھاکر کرتار سنگھ نے مولوی یوسف شاہ کے ساتھ دوبارہ ملاقات کی اور انھوں نے مولوی صاحب کو وزیرِ اعظم ہری کرشن کول کے ساتھ ملا دیا۔

شیخ عبداللہ کو خفیہ طور پر جیل سے نکال کر میرواعظ منزل لایا گیا تو یہاں اُن کے استقبال میں مولوی یوسف شاہ، ان کے برادر مولوی یحییٰ شاہ اور غلام محمد پنڈت موجود تھے۔ انھوں نے شیخ صاحب کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا، مولوی یوسف شاہ نے شیخ صاحب کو ان کی گرفتاری کے دوران پیش آئے واقعات سے روشناس کرایا اور دورانِ گفتگو فرمایا۔ "راجہ ہری کرشن کول نے ہمارے لگ بھگ سارے مطالبات مان لئے اور ان مطالبات کو آہستہ آہستہ روبہ عمل لایا جائے گا۔ البتہ ان کی یہ شرط ہے کہ ہم عام جلسوں میں سیاسی تقاریر نہ کریں اور لوگوں کو حکومت کے خلاف نہ بھڑکائیں۔ وزیراعظم نے تمام قیدیوں کی رہائی کا یقین دلایا ہے۔

بقول شیخ عبداللہ میں نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"ایسی بات ہے تو ہم سیاسی تقریروں کے بجائے اجتماع میں مذہبی تبلیغ کریں گے اور لوگوں کو قرآن و حدیث سے روشناس کرائیں گے۔"

شیخ صاحب کی زبانی ایسا سُنکر مولوی یوسف شاہ کے ساتھ مولوی یحییٰ شاہ لال پیلے ہوگئے اور انھوں نے یک زبان ہوکر شیخ صاحب سے پوچھا۔

"کیا تم قرآن اور حدیث پر عبور رکھتے ہو؟"

شیخ صاحب ابھی کچھ کہہ ہی رہے تھے کہ پیر یحییٰ شاہ ترش لہجے سے بولے:

"اگر آپ مولوی صاحب کی بات نہیں مانیں گے تو ہم تحریک سے علیحدہ ہوجائیں گے۔"

"وہ آپ کی مرضی!" شیخ صاحب نے اسی لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میرا سیاست سے الگ تھلگ رہنا قوم کے مفاد میں نہیں ہوگا۔"

اس طرح گفتگو میں گرمی پیدا ہوگئی تو شیخ صاحب کو لے جاکر وہیں پہنچا دیا گیا جہاں سے انھیں لایا گیا تھا۔ دو دنوں کے توقف کے بعد جب شیخ صاحب کو رہا کیا گیا تو انھیں دوبارہ میرواعظ منزل پہنچا دیا گیا۔

یہاں کئی مسلم رہنما پہلے ہی سے شیخ صاحب کے انتظار میں تھے۔ مولوی یوسف شاہ کی تجویز پر غور و خوض کیا گیا۔ بعض رہنماؤں نے اگرچہ ان کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا لیکن اکثریت اس رائے کے خلاف تھی اس موقع پر خواجہ غلام احمد عشائی نے شیخ صاحب کو صاف صاف بتایا۔ مولوی یوسف شاہ حکومت کے ہاتھوں بک گئے ہیں اور وہ راجہ ہری کرشن کول کو زبان دے چکے ہیں کہ آئندہ سے کوئی بھی لیڈر لوگوں کے سامنے سیاسی تقریر نہیں کرے گا۔

اسی لئے یہ اجتماع میں حکومت کے خلاف کچھ نہ بولنے کی گارنٹی لینا چاہتے ہیں۔"

اس مسئلہ پر صلاح مشورہ کے بعد فیصلہ لیا گیا کہ فی الحال شیخ عبداللہ کوئی تقریر نہیں کریں گے اور اس دوران دیکھا جائے گا کہ حکومت مطالبات پورا کرنے میں کتنی مخلص ہے۔ لیکن اگلے جمعہ کو شیخ عبداللہ جامع مسجد کے منبر پر احراری لیڈر مظہر علی اظہر کے ساتھ نمودار ہوئے اور مذہبی تبلیغ کے دوران وہ سیاست پر بھی اُتر آئے۔

شیخ عبداللہ کی طرف سے اظہر صاحب نے صفائی پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

"بعض لوگوں کو مسلم نمائندگان پر یونہی شک ہے اور یہ شک دور ہونا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کوئی غلط حرکت کرے گا تو میں اس کی اطلاع آپ کو دوں گا۔ لوگوں کو ہر حالت میں اپنے رہنماؤں پر اعتبار کرنا چاہیے۔"

شیخ صاحب کی اس حرکت کا مولوی یوسف شاہ نے 'عہد شکنی' سے تعبیر کرکے اس کا برا منایا اور واضح الفاظ میں فرمایا:

"جو خود احکامِ اسلام پر نہیں چلتے وہ لوگوں کو قرآن اور حدیث کا درس دیتے ہیں جو عربی علوم اور معنی وغیرہ نہیں جانتے وہ قرآن شریف کے غلط معنی کرتے ہیں۔"

اس وقت مولوی صاحب نے اتنا کہنے پر ہی اکتفا کیا۔ لیکن چند روز کے بعد انھوں نے مہاراج گنج کے ایک اجتماع کے سامنے فرمایا:

"انگریزی لباس میں بغیر داڑھی اور مونچھ کے کچھ لوگ منبروں پر کھڑے ہوکر لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں جو لوگ خود سنتِ محمدی صلعم کی پیروی نہیں کرتے۔ اُن کو مسلمانوں کی پیشوائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

شیخ صاحب نے انہی دنوں داڑھی اور مونچھ صاف کردی تھی۔ انھوں نے مولوی صاحب کی تقریر کا جواب خانقاہِ معلیٰ جاکر دیا۔ اپنی تقریر میں انھوں نے مولوی صاحب پر حکومت کے ہاتھوں بک جانے کا الزام لگایا۔

خانقاہ معلیٰ کی شیخ عبداللہ کی اس تقریر کا جواب مولوی یوسف شاہ نے حضرت بل میں دیا۔ انھوں نے عوام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

"آئندہ کسی جوان کو جامع مسجد اور خانقاہ معلیٰ میں تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیئے جو کوئی ایسا کرے گا۔ اس کو ایسا سبق سکھانا کہ وہ اسے یاد رکھے۔"

اس طرح ایک دوسرے کے خلاف سوال و جواب کے بعد دھمکیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

حضرت بل کی اس دھمکی آمیز تقریر سے شیخ صاحب سخت سیخ پا ہو گئے اور انھوں نے مولوی خاندان کو فرسودہ قیادت کہہ کر لوگوں سے اس قیادت کو مسترد کرنے کے لئے اُکسایا۔ انھوں نے بسنت باغ میں مولوی صاحب پر کئی الزامات عائد کر کے لوگوں کو اُن کے خلاف بھڑکانے میں اہم رول ادا کیا۔

اس طرح سرینگر شہر کے مسلمان واضح طور پر دو حصّوں میں بٹ گئے۔ ایک طرف مولوی یوسف اور اُن کے معتقدین تھے اور دوسری طرف شیخ عبداللہ کے حامی رہ گئے۔ مولوی یوسف شاہ کے حامی "بکرے" کہلائے اور "شیر کشمیر" کی نسبت سے شیخ عبداللہ کے حامی "شیر" کہلائے ۔ مسلمان دو حصّوں میں بٹ گئے تو دونوں کے حامی ایک دوسرے پر زور آور ہونے کے لئے آپس میں لڑ پڑے اور یہیں سے "شیر بکرا" کے نام سے آپس میں لڑنے کا جو آغاز ہوا وہ برسوں تک جاری رہا۔ شیخ عبداللہ کے حامیوں میں لاری اڈّے کے ڈرائیور اور کلینر، تانگہ بان، قصائی اور پھیری والے تھے جو لڑا کو مانے جاتے تھے۔ اِس طرح شیخ عبداللہ کے ہاتھ ایک لڑاکو فوج آگئی۔ ان کے مقابلے میں مولوی یوسف شاہ کے حامیوں میں اور لوگوں کے علاوہ آشپاز تھے۔ ان کی تعداد دوسری فورس کے مقابلے میں کم تھی۔ نتیجہ کے طور پر شیر پارٹی بکروں پر حاوی ہونے لگی۔ شیخ عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کے حامیوں کی حالت زار اور دنگا فساد کو دیکھ کر حکمران جماعت نے آگ میں تیل ڈالنے کا کام شروع کیا۔ راجہ ہری کرشن کول نے مولوی محمد یوسف شاہ کے ساتھ خفیہ رابطہ بڑھا کر ان کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کی۔

مولوی یوسف شاہ نے حکومت کی خوشنودی حاصل کر کے شیروں سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ اپنی تنظیم سے دور ہو کر حکومت کے نزدیک آنے لگے۔

مولوی محمد یوسف شاہ نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ایک طرح کا عَلمِ بغاوت بُلند کیا، انہوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ پر نہ صرف مرزائی ہونے کا اِلزام لگایا بلکہ مرزائیوں کو تبلیغ کے لئے اپنا پلیٹ فارم مہیّا کرنے کا بھی دوش دیا۔ مولوی یوسف شاہ شیخ صاحب کے تئیں لوگوں کو بدگمان و بدظن کرنے میں کسی حد تک ضرور کامیاب ہوئے۔ کیوں کہ شیخ محمد عبداللہ کو جلسے جلوس کے دوران ہوٹنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح حالات کشیدہ ہوگئے اور مخالفت نے

زور پکڑا تو اپنے ساتھیوں کی طرف سے شیخ صاحب پر اس دائرے سے باہر آنے کا دباؤ بڑھ گیا۔ اُنھوں نے لاچار ہو کر پبلک اجتماع کے سامنے مرزائیوں کی شدید نکتہ چینی کی، اس سے جہاں مولویوں کا ایک گروپ مطمئن ہوا لیکن دوسرا گروپ ناراض ہوگیا۔

مولوی عبداللہ وکیل ان کے فرزندان مولوی عبدالرحیم، ایم۔اے۔ صابر اور بشیر احمد کے ساتھ منشی نصیرالدین اور غلام نبی گلکار شیخ عبداللہ کے اس وطیرہ پر سخت ناراض ہوگئے اور وہ ان سے روٹھ گئے۔

مرزائیوں کی مخالفت کرنے سے جہاں مولوی صاحبان کا ایک گروپ خوش ہوا تو دوسرا گروپ سیخ پا ہوگیا۔ غلام نبی گلکار کو منانے میں شیخ عبداللہ کامیاب تو ہوگئے لیکن دوسرے حضرات جب واپس تنظیم میں نہیں آئے تو شیخ عبداللہ نے عوامی اجتماع میں اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جو منشی شہاب الدین کے ساتھ کیا تھا۔

اس طرح مسلم اتحاد پھوٹ کا شکار ہوگیا۔

بھرے اجتماع میں بعض رہنماؤں کی پگڑیاں اُچھالنے پر غلام نبی گلکار نے شیخ صاحب سے اختلاف کیا۔ مولوی عبداللہ وکیل نے برملا کہہ دیا۔

"شیخ صاحب کو مرزائیوں کی مخالفت کرنے سے قبل مرزائیوں سے حاصل کی گئی رقومات کا حساب دینا چاہیے۔"

منشی شہاب الدین نے اِن رقومات میں احراریوں، کانگریسیوں اور لیگیوں کی رقومات شامل کرنے اور اُن کا حساب دینے کا مطالبہ کیا۔

چند روز کے بعد شہر میں کئی اہم جگہوں پر ہاتھ سے لکھے گئے پوسٹر دکھائی دیئے۔ جن میں مختلف اداروں سے ریلیف کے نام پر آئی رقومات کا حساب مانگا گیا۔ ان پوسٹروں کو چسپاں کرانے پر شیخ صاحب غلام نبی گلکار پر برس پڑے اور تنظیم میں فتنے جگانے کا اُن پر الزام لگایا۔

گلکار صاحب نے ان کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن کسی نے شیخ صاحب کے کان میں یہ بات ڈالدی تھی۔ اس لئے وہ گلکار صاحب کی صفائی پر راضی نہ ہو سکے۔

شیخ عبداللہ کے بارے میں بعض رہنما بخوبی جانتے تھے۔ ان کے غلط طریقۂ کار، ڈکٹیٹرانہ طرزِ عمل اور غبن وغیرہ کے الزامات جب جب ان کی بوکھلاہٹ، اضطراب اور پریشانی کے باعث بن گئے۔ تب تب وہ تنقید نگاروں کی توجہ ہٹانے کے لئے حکمرانوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے

مجبور ہو جاتے، ایسا کرنے سے ان کی سیاسی فلم ہٹ ہو جاتی اور تماش بین ان کی اداکاری کو حقیقت جان کر ان پر جان چھڑکتے تھے۔

شیخ عبداللہ کی گرفتاری ان کے لئے سونے پر سہاگہ بن جاتی، جیل جانے سے ان کے پچھلے سبھی گناہ دھل جاتے تھے اور وہ بحیثیت ہیرو کے نیا جنم لیتے۔

۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک انھوں نے اپنے گناہوں کے داغ مٹانے لئے اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کے لئے حکمرانوں کے خلاف اشتعال انگیزی کا وطیرہ اختیار کر لیا جس کی وجہ سے بے شمار لوگوں کو اپنی عزیز جانیں گنوانی پڑیں۔

لوگ اپنی قیمتی جانیں قربان کر کے اُن کے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے تھے اور خود یہ حکمرانوں سے تلخ تند اور تیز تقریر کرنے پر یا تو معذرت کرتے نہیں تو معافی مانگ لیتے تھے۔

بقول وزیر اعظم وجاہت حسین ہمارے پاس شیخ صاحب کے بہت سارے معذرت نامے اور معافی نامے ہیں۔ جو وہ تلخ تند اور تیز تقریر کرنے کے بعد مہاراجہ کی خدمت میں بھیجتے تھے۔

بعض مسلم رہنماؤں کی یلغار سے مرعوب ہو کر شیخ عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف ایک پوسٹر چھپوایا جس میں مہاراجہ کو ریاست میں غیر ضروری قوانین نافذ کرانے کا ذمہ دار ٹھہرایا اور انھیں دھمکی دی کہ اگر ان قوانین کو واپس نہیں لیا گیا تو عوام تشدد پر اُتر سکتے ہیں۔

شیخ عبداللہ نے خانقاہ معلی میں تقریر کرتے ہوئے جہاں ڈوگرہ شاہی پر تابڑ توڑ حملے کئے۔ وہاں بعض مسلم لیڈروں کا نام لئے بغیر کہا کہ "مجھے کیا معلوم تھا کہ اپنے ہی ہمیں دھوکہ دیں گے"۔

اُنھوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"حکومت مجھے گرفتار کر رہی ہے۔ اگر میں گرفتار ہوا تو میں آپ کو غلام محمد (بخشی) کے حوالہ کرتا ہوں۔ غلام محمد جو تم سے کہے گا وہی کرنا"۔

۲۴ جنوری ۱۹۳۲ء کو انھیں گرفتار کر لیا گیا تو لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ مظاہروں کا لاوا پھوٹ پڑا۔ "شیر کشمیر زندہ باد اور ڈوگرہ راج مردہ باد" کے نعرے گونجنے لگے۔ شیخ عبداللہ کو سینٹرل جیل پہنچایا گیا۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی، سارے کشمیر میں بربریت شروع کی گئی۔ ٹھاکر کرتار سنگھ جو مہاراجہ کی طرف سے مختار کل تھا۔ اس نے احتجاجی مظاہرین پر سرینگر اسلام آباد، سوپور، بارہمولہ، ہندوارہ، بانڈی پورہ اور شوپیان کے علاوہ اوڑی، مظفر آباد، پونچھ وغیرہ علاقہ جات میں گولیاں چلائیں اور بے شمار قیمتی جانیں ضائع کرا دیں۔

سنکڑوں کی تعداد میں لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔

لولاب سے عالم دین مولانا سلیمان شاہ اور سیف اللہ شاہ کو گرفتار کر کے سینٹرل جیل پہنچا دیا گیا۔ سوپور سے مولوی محمد یاسین، حاجی رحیم ڈار، صوفی محمد اکبر، محمد مجب بخش مظفر آباد سے، پیر حسام الدین، حاجی قلندر شاہ اور ماسٹر عبدالعزیز گرفتار کر لئے گئے۔ ہندوارہ سے حاجی عبدالرحیم، غلام قادر مصالحہ محمد یوسف کنیل اور مولوی عبدالعزیز کو بھی حراست میں لیا گیا۔

مولوی محمد سعید نے مدرس کی نوکری چھوڑ کر خانقاہ معلی میں تقریر کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔

شیخ عبداللہ ۴ جون کو رہا کئے گئے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ کئی دنوں تک ان کے استقبال کا چرچا رہا تو انھیں لاہور سے بلاوا آ گیا۔

مسلم اتحاد کی آپس کی دھمکیوں اور اشتعال انگیزی نے اگرچہ بعض لوگوں کو سخت بے دل کر دیا لیکن ان کو دوبارہ ملانے اور ساتھ ساتھ چلانے کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ اس سلسلے میں کشمیر کمیٹی کے صدر مرزا بشیر محمود اور احراری لیڈر مظہر علی اظہر نے جو رول ادا کیا وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔

ان لیڈروں کی ذاتی دلچسپی سے ناراض ممبران کو ملانے کی جتنی کوششیں کی گئیں۔ ان کو حکمران طبقے نے اپنی مداخلت سے ناکام بنا دیا۔

البتہ بعض مخلص لوگوں نے اب بھی ہمت نہ ہاری۔ چنانچہ مفتی ضیاء الدین کی ذاتی دلچسپی سے شیخ عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کو ملانے کا پروگرام بن گیا۔ چنانچہ اس ملاپ کی منظوری نہ صرف شیخ عبداللہ بلکہ مولوی یوسف شاہ نے بھی دے دی۔ مگر عین موقع پر مولوی غلام نبی نے اس میں رکاوٹ ڈال دی۔ اگرچہ اس طرح یہ ملاپ نہیں ہو سکا لیکن ڈوگرہ شاہی کے خلاف مشترکہ طور پر لڑنے کے لئے دونوں گروپ آمادہ ہو گئے۔

ریڈنگ روم کی میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کو مطالبات کا ایک میمورنڈم پیش کیا جائے گا۔ اگر انھوں نے ان مطالبات کو ماننے میں کسی قسم کا پس و پیش کیا تو باضابطہ طور پر اس حکومت کے ساتھ ٹکر لی جائے گی۔

مطالبات کا یہ میمورنڈم تیار کرنے کے لئے غلام احمد عشائی، مولوی عبداللہ وکیل، چودھری غلام عباس خاں، منشی شہاب الدین، مولوی یوسف شاہ اور شیخ عبداللہ کو مقرر کیا گیا۔

مطالبات کے اس میمورنڈم کو شیخ عبداللہ نے مرزائیوں کے ساتھ مل کر تیار کیا حالانکہ

احراریوں کے ساتھ انھوں نے پہلے ہی ایک میمورنڈم ترتیب دیا تھا۔ مرزائیوں نے اس میں کمایاں تبدیلی کرکے اس پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اس طرح ان کا مسودہ منظور ہوگیا۔

مہاراجہ کے دربار میں حاضر ہونے اور اُن کے سامنے کورنش بجالانے کی شیخ عبداللہ نے غلام احمد جوئیلر کے گھر میں قدِ آدم آئینے کے سامنے دو دنوں تک پریکٹس کی، جس پر ان سے غلام احمد جوئیلر، گوہر رحمان اور سعد الدین شال نے سخت اعتراض کیا اور اس طرزِ عمل کو مسلم رہنماؤں کے وقار کے منافی قرار دیا۔ مگر شیخ عبداللہ نے ان کا اعتراض ایک کان سے سُنکر دوسرے کان سے اُڑا دیا۔ بعد میں مہاراجہ کے ہاں جاکر جو ہزیمت اُن کو اُٹھانا پڑی اس کا شیخ صاحب نے خود اعتراف کرلیا ہے۔

اس میمورنڈم میں جو مطالبات درج کئے گئے وہ اس طرح ہیں:-

۱۔ ریوینو، پولیس اور جنگلات کے افسروں کی وادی کے کسانوں کی شکایات کی تحقیقات۔
۲۔ آزاد کمیشن برائے آفیسران پولیس دوبارہ فسادات گزشتہ۔
۳۔ جن آفیسروں نے مذہبی معاملات میں دخل دیا ہے ان کو بعد تحقیقات سزا۔
۴۔ قیدیوں کی رہائی اور ملازمت کی بحالی۔
۵۔ آزادیٔ تحریر و تقریر۔
۶۔ مذہبی آزادی کا اعلان اور ضبط جائیداد کی واگزاری، و گزاری مساجد و مقابر۔
۷۔ تناسب آبادی سے ستّر فیصد ملازمتیں۔
۸۔ سالانہ دس فیصد ملازمتوں کا اضافہ۔
۹۔ مسلمانوں کے لئے فوجی کالج۔
۱۰۔ ذریعۂ تعلیم اسکولوں میں ہندی کے بجائے اُردو۔
۱۱۔ وزارت میں مسلمانوں کا حصّہ آبادی کی بنا پر۔
۱۲۔ وزراء کی میعاد پانچ سال بشرطیکہ لیجسلیٹر کے ستّر فیصدی پر اختلاف نہ ہو۔
۱۳۔ رائے عامہ کا احترام۔
۱۴۔ لیجسلیٹو اسمبلی کا اجراء۔
۱۵۔ ضرورت کے وقت مہاراجہ کو آرڈیننس کا اختیار۔
۱۶۔ ستّر فیصدی ممبران منتخب اور تیس فیصدی نامزد۔
۱۷۔ ہر ایک کو ووٹ دینے کا حق۔

۱۸۔ رشوت کی روک تھام۔
۱۹۔ پنجاب کے طریقے پر مالیہ کی وصولی۔
۲۰۔ کاہچرائی فیس میں مناسب کمی۔
۲۱۔ اسلحہ پر پابندی کی منسوخی۔
۲۲۔ باہر جانے والے مال پر محصول معاف۔
۲۳۔ مذہبی آزادی کے متعلق تقریر، تحریر اور پلیٹ فارم کی آزادی۔

مطالبات کے اس میمورنڈم پر مہاراجہ نے ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ دیا لیکن یہ میمورنڈم بھی مسلم اتحاد میں فتنہ فساد کا باعث بن گیا۔

ریڈنگ روم میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ مطالبات کا میمورنڈم ایک کمیٹی ترتیب دے گی جن کے نام اوپر درج ہیں۔ مگر ان سے بعض ممبران کو اعتماد میں لئے بغیر ہی اس کو ترتیب دیا گیا۔ اگرچہ ان اعتماد میں نہ لینے والوں نے بعد میں اس پر دستخط کئے۔ لیکن منشی شہاب الدین نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کیا۔ ان کا اعتراض تھا کہ اس کی ترتیب کے وقت مجھے نظر انداز کیا گیا اور میرے پوچھے بغیر ہی اس کو مرتب کیا گیا۔ اگرچہ میں ان مطالبات کی حمایت کرتا ہوں لیکن اس میمورنڈم کی تیاری میں جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ ڈکٹیٹرانہ طریقہ ہے اور ایسا طریقہ ڈسپلن شکنی کا باعث بن گیا ہے۔ شیخ عبداللہ کو منشی شہاب الدین کی ان باتوں سے غصّہ آیا اور وہ ان کے دستخط لئے بغیر ہی چلے گئے۔ منشی شہاب الدین کو شیخ عبداللہ کا یہ رویہ سخت ناگوار گزرا اور انھوں نے ایک خط لکھ کر شیخ عبدالصمد کے ہاتھ شیخ صاحب کو بھیجدیا۔

بقول شیخ عبدالصمد شیخ صاحب نے خط پڑھ کر اسے پھاڑ دیا۔

اگلے روز شیخ عبداللہ نے خانقاہ معلیٰ میں لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ان پر مسلم اتحاد کو توڑنے کا الزام لگایا۔ شیخ عبداللہ کے اس انکشاف نے لوگوں کو مشتعل کیا اور وہ منشی صاحب کے بارے میں شیم شیم کے نعرے لگانے لگے۔

مسلم اتحاد کے رہنما جو اس ساری صورت حال سے واقف تھے۔ وہ شیخ عبداللہ کی اس قسم کی تقریر سے سخت مایوس ہوگئے اور جن اشخاص کو حقیقت حال کی کوئی علمیت نہ تھی۔ وہ منشی صاحب پر سخت ناراض ہوگئے۔

چنانچہ جب غلام عباس خاں، مولوی عبداللہ اور علام نبی گلکار اس سلسلے میں منشی صاحب

سے ملے تو انھوں نے اس طریقۂ کار پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، البتہ منشی شہاب الدین کی زبانی صورت حال سُنکر انھیں شیخ عبداللہ کو قصوروار گردانے میں کوئی تعمل نہیں ہوا۔

منشی شہاب الدین نے وفد کو بتایا جو خط میں نے اس بارے میں شیخ عبداللہ کو لکھا۔ اگر وہ خط آپ پڑھ لیں گے تو آپ کو بخوبی پتہ چلے گا میں نے کیا کچھ لکھا تھا۔ جبکہ انھوں نے لوگوں کے اجتماع میں مسلم اتحاد کو توڑنے کا مجھ پر الزام لگایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہی اتحاد کو پارہ پارہ کر رہا ہے۔ ہم نے نوجوان سمجھ کر اسے سامنے لایا لیکن یہ میری بلّی اور مجھ سے میاؤں کے مصداق کام کر رہا ہے۔ وہ تنظیم میں ایک ڈکٹیٹر کا رول ادا کر رہا ہے۔

،مولوی یوسف شاہ، مولوی یحییٰ شاہ کے ساتھ منشی شہاب الدین بھی ان سے فرنٹ ہو گئے

مولوی احمداللہ ہمدانی کے ساتھ مولوی یوسف شاہ، مولوی عبداللہ وکیل سے بھی نبرد آزما تھے مولوی عبداللہ کی شمولیت ان دونوں مولویوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔

حالانکہ مولوی عبداللہ تحریک کے بانیوں میں فردِ واحد تھے۔ مولوی احمداللہ ہمدانی کی اگرچہ مولوی یوسف شاہ سے نہیں بنتی تھی لیکن مولوی عبداللہ کی مخالفت میں یہ دونوں ملاّ ایک ساتھ ہو گئے۔ انھوں نے ان پر مرزائیت کی لیبل لگاکر تنظیم سے انھیں نکالنے میں زبردست ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا۔ چنانچہ مسلم اتحاد کے لئے مولوی عبداللہ نے یہ قربانی دینے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔

مولوی یوسف شاہ کو کمزور کرنے کے لئے شیخ عبداللہ مولوی ہمدانی کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے۔ شیخ عبداللہ چاہے ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف بولتے مولوی یوسف کے خلاف تقریر کرتے تو اسٹیج پر آکر وہ خوش گلو آواز میں یہ شعر ضرور گنگناتے ؎

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے
بادلو ہٹ جاؤ چھوڑو راہ جانے کے لئے

اِس کے بعد مترنم آواز میں قرآنی آیات کی تلاوت کرتے، اصل میں ان کا یہی طرز بیان، یہی ترنم، یہی سریلی آواز ان کی کامیابی کا باعث بنی، اپنی خوش گلو آواز کی وجہ سے وہ عام لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے۔

ہم سزاوارِ تمنا دھوپ میں چلتے رہے
دِل کو بہلاتا رہا سایہ تیری دیوار کا

تحقیقاتی کمیشن کا تقرر اور مراعات کا اعلان

ہندوستان بھر میں "کشمیر کمیٹی" کی ہدایت پر ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو "کشمیر ڈے" بڑے پیمانے پر منانے کا اعلان کیا گیا۔ مقامی لیڈروں نے ریاست کے اندر اس روز "یوم کشمیر" منانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا مقصد کشمیر کے حالات کی طرف دُنیا کی توجہ مبذول کرانا تھا۔ اس روز ہندوستان کے بہت سے مقامات پر جلسے اور قرار دادیں پاس کی گئیں۔

سرینگر میں اس روز بے مثال ہڑتال رہی، مزارِ شہداؔ پر ایک بہت بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ خاصی تعداد میں عورتوں نے بھی شرکت کی۔ اس روز جب شہیدوں کے بچّے اجتماع سے متعارف کرائے گئے تو ڈوگرہ راج کے خلاف فلک شگاف نعرے بلند ہو گئے۔

خونی واقعات سے ہوئی بدنامی کو دھونے کے لئے مہاراجہ ہری سنگھ نے مسلمانوں کے مطالبات کی تحقیقات کے لئے سربرآوردہ دلال جوان دنوں ریاست کے چیف جسٹس کے عہدے پر تعینات تھے۔ کو تحقیقاتی کمیشن کا سربراہ مقرر کیا۔ انھیں سرینگر میں ۱۳ جولائی کے روز گولی چلانے کے واقعات کی تحقیقات کے لئے رپورٹ مرتب کرنے کا اختیار دیا گیا۔ مسلم رہنماؤں نے اس کمیشن کو کسی قسم کا تعاون دینے سے صاف انکار کیا اور اس طرح انھوں نے کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ مسلم رہنماؤں کا اعتراض تھا کہ جو شخص حکومت کا تنخواہ دار ملازم ہو۔ اس سے کسی قسم کی غیر جانبداری کی توقع کیسے رکھی جاسکتی ہے۔

دلال کمیشن میں مولوی یوسف شاہ کو بحیثیت ایک ممبر کے نامزد کیا گیا۔ لیکن مسلم رہنماؤں کے عدم تعاون کی وجہ سے انھوں نے یہ ممبری قبول کرنے سے انکار کیا، چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے جب

دلال کمیشن کے سامنے کوئی شہادت پیش نہیں کی گئی تو سر برجور دلال نے اپنی طرف سے ایک تحقیقاتی رپورٹ مہاراجہ کی خدمت میں پیش کی لیکن اس پر کسی قسم کی کاروائی نہیں کی جاسکی اور اس طرح یہ تحقیقاتی رپورٹ داخلِ دفتر ہوگئی۔

اس کے بعد ایک اور کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس کمیشن کے لئے ڈاکٹر سر محمد اقبال نے نواب آف بھوپال نواب حمید اللہ خاں کی خدمات حاصل کر لیں۔

۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو جے۔ پی۔ گلینسی کو اس کمیشن کا سربراہ مقرر کیا گیا اور اُن کی مدد کے لئے چار ممبر نامزد کئے گئے۔ اس کیلئے دو مسلمان اور دو غیر مسلم ممبران لئے گئے کشمیر سے خواجہ غلام احمد عشائی اور جموں سے چودھری غلام عباس خان جبکہ کشمیری پنڈتوں کی طرف سے پریم ناتھ بزاز اور جموں کے ہندوؤں کی طرف سے لوک ناتھ شرما مقرر ہوئے۔

اس کمیشن کے بارے میں مہاراجہ ہری سنگھ نے حسبِ ذیل بیان جاری کیا:

"کچھ عرصے سے میری توجہ اس قسم کے بعض خاص شکایات کی طرف مبذول رہی ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ میری ریاست میں مذہبی آزادی پر قیود موجود ہیں۔ ان شکایات کی وجہ سے مجھے بہت ہی ایذا پہنچی ہے اور میں اپنی رعایا کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیشہ میری یہ خواہش رہی ہے اور میری حکومت کی حکمتِ عملی و پالیسی رہی ہے کہ ریاست کی آبادی کے ہر گروہ کو مکمل ترین آزادی حاصل ہو کہ وہ جس مذہب کی پابند ہو۔ وہ اس مذہب پر عمل پیرا رہ سکے۔ میری خواہش یہ ہے کہ اس معاملہ کے متعلق جو غلط فہمی ابھی موجود ہے وہ فی الفور رفع ہو جائے اور اس پالیسی کے نفاذ میں ماتحت حکام سے جو غلطی بھی سرزد ہو وہ ظاہر کی جائے اور اس کا ازالہ کیا جائے۔

مسٹر گلینسی میری درخواست پر بیرون ریاست کے ایک غیر جانبدار افسر کی خدمات حکومت ہند نے میرے سپرد کی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ یہ افسران شکایات کی تحقیقات کرے جو اس وقت موجود ہیں اور ان کے ازالہ کے لئے سفارشات مرتب کرے۔ جس افسر کو میں نے اس غرض سے منتخب کیا ہے ان کا نام مسٹر جے۔ بی۔ گلینسی صاحب سی۔ آئی۔ ای ہے۔ ان صاحب کو اہلِ کشمیر سے متعارف کرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ آج سے چند ہی سال قبل انھوں نے غلہ کے انضباط کے طریقِ کار کے متعلق ہر قسم کا کام کرنے کے متعلق ریاست اور

اہلِ ریاست کی جو بیش بہا خدمات انجام دی تھیں وہ سب کو خوب معلوم ہیں۔ غلہ کے متعلق ہر قسم کا کام کرنے والوں کو پہلے جن مشکلات سے سابقہ پڑتا تھا۔ وہ خوش قسمتی سے رفع ہو گئی تھیں اور ان کے رفع ہونے سے سب کو آرام اور نفع حاصل ہوا تھا۔ جس کے لئے ہم اُن تدابیر کے ممنون ہیں جو میری حکومت نے گلینسی کے مشورے کے بعد اختیار کی تھیں۔ لہٰذا مجھے امید اور یقین ہے کہ مسٹر گلینسی کو میری رعایا کا اعتماد حاصل ہو گا اور کہ میری رعایا کی تمام جماعتیں اس کام میں جو مسٹر موصوف کو درپیش ہیں ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔

پُرامن فضا کی ضرورت میری ہدایات کے مطابق مسٹر گلینسی نے مختلف فرقوں کے نمائندوں سے تبادلہ خیال کیا اور ان کے ساتھ موجودہ حالت کی ہر صورت پر نہایت صفائی سے بحث کی۔ اُن کا مدعا یہ تھا کہ پُرامن فضا پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ تحقیقات کی کامیابی سے پورا ہونے کے لئے ایسی فضا کا وجود ناگزیر ہے۔

مسٹر گلینسی کے مددگار اس تحقیقات میں مسٹر گلینسی کے چار غیر سرکاری مددگار ہوں گے جن میں سے دو مسلمان اور دو ہندو ہوں گے۔ ان چار آدمیوں کو ان کی قوموں کے مصدقہ نمائندوں نے نامزد کیا ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ وہ اپنی اپنی قوم کے مفاد کے نہایت مناسب اور پورے پورے نمائندے ہیں۔

شکایات کی تحقیقات اس کمیشن کا پہلا کام یہ ہو گا کہ میری ریاست میں کسی جماعت کا جو مذہب ہو اسی مذہب کی آزادانہ پیروی میں جو حالات یا واقعات کسی طرح بھی حائل ہوں ان کے متعلق اب تک جو شکایات میرے روبرو بغرض غور پیش ہو چکی ہیں ان کی جو تازہ شکایات کمیشن کے روبرو پیش کی جائیں گی۔ اُن کی تحقیقات کرے۔

مساجد کی واپسی اس تحقیقات میں ان مقامات و عمارات کی واپسی کے دعویٰ کی تحقیقات بھی شامل ہو گی جن کا مقصد یہ ہو گا کہ ایسی عمارات اور ایسے مقامات جو اس وقت کے قبضہ میں ہیں اور جن کو رعایا کی کوئی جماعت ایسا مقام یا ایسی عمارت سمجھتی ہے جو کہ وہ کسی مذہب کے شعار کی پیروی کے لئے مخصوص ہیں اور ان سے قبل جو احکام میں جاری کر چکا ہوں ان میں ان مقامات یا عمارات کا تذکرہ نہیں ہوا میری حکومت کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی عمارت یا کسی ایسے مقام

پر قبضہ کئے رہے جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ مقام یا عبارت کسی مذہب کے شعار کی پیروی کے لئے مخصوص تھی اور جن ایسے مقامات یا عمارات کے متعلق کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔ ان کی واپسی کی تدابیر اختیار کی جائیں گی، نیز میری رعایا کا کوئی گروہ اگر کوئی ایسی فرقہ وار یا تمدنی شکایت ظاہر کرے گا جو اس گروہ کے خیال میں اس کے مذہب کے شعار کی پابندی کے راستہ میں حائل ہو۔ گلینسی کمیشن اس کی بھی تحقیقات کرے گا۔

دیگر شکایات کی تحقیقات اس کے بعد یہ کمیشن ان شکایات کی تحقیقات کرے گا جو عام قسم کی ہوں اور جن کا کسی مذہب کے شعار کی پابندی سے کوئی تعلق نہ ہو۔

ان تمام امور کے متعلق یہ کمیشن ممکن الوجود سرعت سے کام کرے گا اور اپنی رپورٹ اپنی سفارشات کے ساتھ میری حکومت کے روبرو پیش کرے گا جن کے موصول ہوتے ہی بلا تاخیر مزید حکومت اس رپورٹ اور ان سفارشات کے متعلق مناسب کارروائی کرے گی اور جو احکام ضروری معلوم ہوں گے وہ نافذ کئے جائیں گے۔

آزادی تحریر و تقریر: میری خواہش یہ ہے کہ ریاست میں جو قوانین اس وقت جماعتیں اور انجمنیں بنانے کے متعلق اور اخبارات کے ذریعے سے یا جلوسوں میں اظہار خیالات کی آزادی کے متعلق اور دوسرے ایسے معاملات کے متعلق رائج ہیں ان کو بہتر بنایا جائے تاکہ جہاں تک میری رعایا کی بہبود اور اس کے امن سے زندگی گزارنے کی مقتضیات اجازت دیں۔ ان قوانین کے مطابق بنایا جائے جو اس وقت ایسے معاملات کے متعلق برطانوی ہندوستان میں رائج و نافذ ہیں۔ اس لحاظ سے ریاست کے قوانین میں تغیر و تبدل مسٹر گلینسی کے مشورہ کے مطابق ہوگا اور یہ کام فی الفور شروع کر دیا جائے گا۔

دستور اساسی کا مسئلہ جیسا کہ میں قبل ازیں اعلان کر چکا ہوں میری نیت یہ ہے کہ ایسے ذرائع کئے جائیں کہ میری رعایا کو ریاست کی حکومت میں دخل حاصل ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر قوم کے نمائندوں کو مناسب موقع دیا جائے کہ وہ اور اہلکومت کے نظام میں دخل اور امداد بھی دے سکیں۔

گول میز کانفرنس میرا ارادہ یہ ہے کہ جب متذکرہ بالا کمیشن موجودہ شکایات و تکالیف کی تحقیقات کا کام ختم کر چکے تو میں ایک گول میز کانفرنس طلب کروں جس کے صدر مسٹر گلینسی ہوں اور جس میں میری رعایا کے تمام فرقوں کے نمائندے شامل ہوں تاکہ اس کانفرنس میں دستور اساسی میں اصلاحات کی ترویج کے بہترین اور مناسب ترین ذرائع پر تبادلۂ خیالات ہو سکے اور اس تبادلۂ خیالات کے نتائج کے موافق میرے غور اور میرے احکام کے لئے سفارشات مرتب کی جا سکیں۔

بعض مناسب احکام کا نفاذ اس تحریر کے ساتھ میری حکومت کے بعض اعلانات کئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوگا کہ امور ذیل کے متعلق احکام نافذ کر دیئے گئے ہیں:

اوّل: جن آفیسروں کو گذشتہ فسادات کے سلسلے میں محکمانہ طور پر سزا دی گئی تھی۔ ان کو پھر بحال کیا گیا ہے۔

دوم: حال ہی میں جن لوگوں کو سیاسی جرائم کی وجہ سے سزا ملی ان کے لئے اپیل کی میعاد وسیع کر دی گئی۔

سوم: گزشتہ چار ماہ میں جو فسادات ہوئے ان کی وجہ سے جو غافہ مست ہو گئے ان کو فی الفور امداد دی جائے گی۔

چہارم: سرینگر میں اوّل اوّل جو فسادات ہوئے ان کی تحقیقات کے لئے جو دلال کمیٹی مقرر ہوئی تھی اس کی تحقیقات کے بعد جو فسادات رونما ہوئے ہیں۔ ان کی اور ان فسادات کو دبانے کے لئے ریاست نے جو وسائل اختیار کئے ہیں ان کی تحقیقات کے لئے ایک آفیسر مقرر کیا گیا ہے۔

دستخط:- مہاراجہ ہری سنگھ

مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۳۱ء

۵ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو مہاراجہ بہادر نے ایک انگریز افسر مسٹر مڈلٹن کی سرکردگی میں ایک اور تحقیقاتی کمیشن کے قیام کا اعلان کر دیا جس کے ذمے اُن واقعات کی تحقیقات کرنا تھا جو سرینگر، اسلام آباد، شوپیان اور کئی دوسرے علاقوں میں سیاسی قیدیوں کی گرفتاری کے دوران پیش آئے تھے۔

اس کمیشن کے روبرو شہادتیں پیش کرنے کے لئے اور عدالت کے سامنے محمد اسحٰق کے